آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ
پوچری، دھنباد، جھارکھنڈ (انڈیا)

آخری پیغمبر ﷺ

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

پیش کش

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ

پوچری، دھنباد، جھارکھنڈ (انڈیا)

نام کتاب : آخری پیغمبر ﷺ

نام مؤلف : محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

(E-mail: jamiljh04@gmail.com / Mob: 8292017888/9576971884)

ترتیب : محمد شکیل اختر جلیلی ندوی

سن اشاعت : ۲۰۲۰ء

صفحات : ۷۲

قیمت :

ناشر : فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد، جھارکھنڈ (انڈیا)

انتساب

☆ ان حسین لمحات کے نام، جن میں سیرت کے کسی بھی پہلو پر کچھ لکھنے کی سعادت ملی۔

☆ ان تمام افراد کے نام، جن کے دلوں میں نبی آخرالزماں ﷺ کی محبت کی شمعیں فروزاں ہیں۔

☆ ان تمام محسنین کے نام، جن کی وجہ سے کچھ تحریر کرنے کے قابل ہوسکا۔

☆ ان تمام اداروں کے نام، جہاں سے کسب فیض کیا گیا۔

فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

کسی بھی مصنف، مؤلف اور محقق کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوگی کہ اسے اس ذات اقدس کے تعلق سے کچھ لکھنے اور کام کرنے کی سعادت نصیب ہوجائے، جن کے تعلق سے شاعر رسول حضرت حسان بن ثابتؓ نے فرمایا:

وأحسن منک لم تر قط عینی وأجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأً من کل عیب کأنک قد خلقت کما تشاء

(میری آنکھوں نے آپ جیسا حسین کبھی نہیں دیکھا، آپ جیسا جمیل بھی کسی ماں نے نہیں جنا، آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے، گویا آپ کو ویسا ہی پیدا کیا گیا، جیسا کہ اللہ نے چاہا)

اور جن کے تعلق سے ملک الشعراء شوقی ضیف نے کہا:

ولد الھدی فالکائنات ضیاء وفم الزمان تبسم وثناء

بک بشر اللہ السماء فزینت وتضوعت مسکاًبک الغبراء

(نور ہدایت کی پیدائش کی وجہ سے ساری کائنات ضیاء بار ہوگئی اور اہل زمانہ کے چہرے اس کی تعریف میں مسکرا اٹھے، تیرے ذریعہ سے اللہ نے آسمان کو مزین اور زمین کو معطر کیا)

اور جن کے تعلق سے حافظ شیرازی نے کہا:

یاصاحب الجمال ویاسید البشر من وجھک المنیر لقد نور القمر

لایمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(اے صاحب جمال اور اے انسانوں کے سردار، آپ کے رخ انور سے چاند چمک اٹھا، آپ کی تعریف کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا، قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہستی ہیں)

اس حقیر کے لئے بھی یہ سعادت کی بات ہے کہ سیرت کے موضوع پر اس قبل بھی ایک کام ''غزوات نبوی - اسباق وموعظت کے چند پہلو'' کے نام سے منصۂ شہود میں آیا، اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً سیرت کے بعض گوشوں پر بعض تحریری کام کی سعادت ملی، تقریباً ڈیڑھ دوسال پہلے ربیع الاول کے موقع سے اختصار کے ساتھ سوشل میڈیا پر نبی کریم ﷺ کی سیرت کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا، جس کو برادر مکرم جناب مولانا شکیل اختر جلیلی ندوی مدظلہ نے ترتیب دے کر افادۂ عام کا حکم دیا، جس کے لئے میں تہہ دل سے ممنون ہوں، طبیعت تو یہ چاہ رہی تھی کہ اسے باقاعدہ پرنٹ کرادیا جائے؛ لیکن آج کل کے ہوش ربا دور میں اور پھر اس خیال سے کہ اب پی ڈی ایف کا زمانہ آچکا ہے، برقی اشاعت پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے۔

یہ سیرت پر مختصر رسالہ ہے، جس میں واقعات کو عام فہم زبان پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور وہ بھی اس خیال کے ساتھ کہ کم از کم سیرت کی ایک جھلک لوگوں کے سامنے آجائے اور بس، امید کہ اس مقصد کے لئے یہ کتاب مفید ہوگی۔

اس کتاب کی برقی اشاعت پر اس حقیر کی پیشانی بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے پاک وبزرگ ترین ہستی کی سیرت پر کچھ لکھنے کی توفیق دی، **فللہ الحمد والشکر**، پھر ان تمام حضرات کا بھی شکرگزار ہوں، جو تعلیمی وتربیتی اعتبار سے میرے محسن ہیں، اللہ تعالیٰ تمام کو بہترین اجر وصلہ سے نوازے، آمین، نیز اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس رسالہ کو مفید بنائے اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین!

ہیچ مداں

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

دارالعلم، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

۲۰/ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

۷/نومبر ۲۰۲۰ء

ہمیں سیرت کا مطالعہ اس لئے کرنا چاہئے کہ:

۱- بحیثیت مسلمان اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اطاعت اسی وقت ممکن ہے، جب کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو ہمارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے اور آئیڈیل کی زندگی کا مطالعہ از حد ضروری ہے؛ تاکہ ہم خورش سے لے کر پوشش تک ان کو اپنا آئیڈیل مان اور ان کے طرزِ زندگی کو اختیار کر سکیں۔

۳- بعثتِ محمدی ﷺ سے پہلے تہذیبی اعتبار سے دنیا کھوکھلی ہو چکی تھی، نیز موجودہ دور بھی تہذیبی اعتبار سے کھوکھلی ہو چکی ہے، جب کہ اسلامی تہذیب زندۂ جاوید اور تمام تہذیبوں کی روح؛ بل کہ سابقہ اور لاحقہ تہذیبوں کا نقطۂ اتصال ہے؛ اس لئے تہذیبی اعتبار سے بھی سیرت کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

۴- پوری دنیا جن (اقتصادی، معاشرتی، معاملاتی، اخلاقی، جنسی، سیاسی، قومی، تہذیبی، ثقافتی، ماحولیاتی وغیرہ) مسائل سے دوچار ہے، ان کا حل اسلام کے اندر موجود ہے، لہٰذا ان عالمی مسائل کو حل کرنے کے اعتبار سے بھی سیرت کا مطالعہ ضروری ہے کہ سیرت کے اندر ان کے حل موجود ہیں۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

دنیا کے اس اسٹیج پر بہت سارے لوگ آئے اور بہت سارے لوگ آئیں گے، حکمراں بھی آئے اور آئیں گے، زردار بھی آئے اور آئیں گے،، فلاسفر بھی آئے اور آئیں گے، قلم کار بھی آئے اور آئیں گے، شاعر بھی آئے اور آئیں گے، صوفی بھی آئے اور آئیں گے، عابد بھی آئے اور آئیں گے، زاہد بھی آئے اور آئیں گے، مرشد بھی آئے اور آئیں گے، محقق بھی آئے اور آئیں گے، علامہ بھی آئے اور آئیں گے، شہسوار بھی آئے اور آئیں گے، مردِ آہن بھی آئے اور آئیں گے، مردِ میدان بھی آئے اور آئیں گے، نوبل یافتہ بھی آئے اور آئیں گے؛ لیکن کسی کا انتظار نہ تو ایسا کیا گیا ہے اور نا ہی کیا جائے گا، کسی کے بارے میں تسلسل کے ساتھ نہ تو ایسی بشارت دی گئی ہے اور نا ہی دی جائے گی، کسی کی آمد پر نہ تو ایسی خوشی منائی گئی ہے اور نا ہی منائی جائے گی، کسی کی پیدائش پر نہ تو ایسی مجلس سجائی گئی ہے اور نا ہی سجائی جائے گی، جیسا انتظار، جیسی بشارت، جیسی خوشی اور جیسی مجلس آرائی جگر گوشۂ آمنہ، خلاصۂ کائنات، فخر موجودات، محبوبِ خدا، امام الانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری پر کی گئی۔

پیدائش و پرورش

حضرت محمد ﷺ ۹/ربیع الاول بروز دوشنبہ عام الفیل کے پہلے سال (واقعۂ فیل کے تقریباً

پچپن دن کے بعد) مطابق ۲۰/اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے، آپ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب نے آپ کا نام ''محمد'' رکھا، سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ نے آپ کو دودھ پلایا، دو تین دن کے بعد آپ کے چچا ابولہب کی باندی حضرت ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا، پھر عرب کے رواج کے مطابق قبیلۂ ہوازن (بنوسعد) سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ نے دو برس تک آپ کو دودھ پلایا، وہیں چھ سال کی عمر تک آپ مقیم رہے، اسی دوران شقِ صدر کا واقعہ (ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال) بھی پیش آیا۔

والدہ اور دادا کی وفات

چھ برس کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ والد کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ کا سفر کیا، ایک ماہ کے بعد واپس آتے ہوئے مقام ''ابواء'' میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہوئیں، ام ایمنؓ (جو حضرت آمنہ کی خادمہ تھیں اور اس سفر میں ساتھ تھیں) آں حضرت ﷺ کو لے کر مکہ آئیں، اب آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا اور دو سال تک آپ کی کفالت کرتے رہے، دو سال کے بعد جب آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب بیاسی سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے، دادا کے انتقال کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لیا۔

سفر شام اور بحیرہ راہب سے ملاقات

بارہ سال کی عمر میں چچا ابوطالب نے اپنے شام کے تجارتی سفر میں یتیم بھتیجا کو بھی ساتھ لیا، جب ''بُصریٰ'' نامی مقام پر ابوطالب کے قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو جرجیس نامی راہب (جس کا لقب بُحیرہ تھا) نے آپ کے اوصاف کی بنیاد پر آپ کو پہچان لیا اور ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ہیں، اللہ انھیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا، پھر ابوطالب کو مشورہ دیتے ہوئے کہا: انھیں واپس کر دو،

ملک شام لے کر نہ جاؤ؛ کیوں کہ یہود سے خطرہ ہے، ابو طالب نے راہب کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے آں حضرت ﷺ کو اپنے بعض غلاموں کے ساتھ مکہ واپس بھیج دیا۔

جنگ فجار

آپ جب پندرہ برس کے ہوئے تو قریش و کنانہ اور قیس عَیلان کے درمیان ایک جنگ ہوئی، جو سیرت کی کتابوں میں ''جنگِ فجار'' کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ میں آں حضرت ﷺ بھی شریک تھے اور تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

ملک شام کا تجارتی سفر اور شادی

پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لے کر ملک شام کا سفر کیا اور تجارتی منافع کے ساتھ لوٹے، جب حضرت خدیجہؓ نے راست گوئی، امانت داری اور مکارم اخلاق کا مشاہدہ کیا تو اپنی ایک سہیلی نفیسہ بن منبہ کے ذریعہ شادی کا پیغام بھجوایا، آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں سے مشورہ کے بعد اس پیغام کو قبول کر لیا اور ملک شام سے واپسی کے تقریباً دو مہینے کے بعد بنو ہاشم اور روسائے مُضر کی موجودگی میں بیس اونٹ مہر کے عوض آں حضرت ﷺ اور حضرت خدیجہؓ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے، اس وقت حضرت خدیجہؓ تقریباً چالیس سال کی تھیں۔

حجر اسود کا جھگڑا

جب آپ ﷺ پینتیس سال کے ہوئے تو خانۂ کعبہ کی تعمیر نو کا کام شروع ہوا، جب حجر اسود تک تعمیر ہو گئی تو اس کو رکھنے کے سلسلہ میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا، ہر قبیلہ اس شرف سے مشرف ہونا چاہتا تھا؛ حتی کہ نوبت خون خرابے تک جا پہنچی، تب ابو امیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلہ کی ایک صورت پیدا کی کہ کل صبح جو حرم میں سب سے پہلے داخل ہوگا، جھگڑے کا حکم اسی مانیں، مشیتِ ایزدی کہ صبح سب سے پہلے نبی کریم ﷺ تشریف لائے، لوگوں نے دیکھتے ہیں کہا: ھذا الأمین،

رضیناہ، ھذا محمد ''یہ امین ہیں، ہم (ان کے فیصلہ پر) راضی ہیں، یہ محمد ہیں''، آں حضرت ﷺ نے ایک چادر منگوا کر اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اس پر رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے اس کے کنارہ کو پکڑ کر لے چلنے کے لئے کہا، جب نصب کی جگہ تک چادر پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے اپنے بابرکت ہاتھ سے حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا اور قبائل کے درمیان رونما ہونے والے خون خرابے کو فرو کیا۔

پہلی وحی

جب عمر شریف چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبوت کی سعادت سے سرفراز فرمایا؛ چنانچہ آں حضرت ﷺ بغرض عبادت 'غارِ حراء' میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر اترے اور کہا: پڑھو، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پڑھنا نہیں آتا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے سینے سے بھینچا اور دوبارہ کہا: پڑھو، آپ ﷺ نے پھر جواب دیا: مجھے پڑھنا نہیں آتا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر اپنے سینے سے بھینچا اور کہا: ''پڑھو اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا رب بزرگ و باعزت ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، جس نے انسان کو وہ چیزیں سکھائیں، جو وہ نہیں جانتا تھا'' (العلق: ۱-۵)، نزولِ وحی کا یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۵ رتاریخ (۶ راگست ۶۱۰ء) کو پیش آیا۔

لوگوں کا قبول اسلام

پہلی وحی کے بعد چند روز تک وحی کا سلسلہ بند رہا، پھر سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے ذریعہ تبلیغ کا حکم ہوا، آں حضرت ﷺ شروع شروع میں (تین سالوں تک) خاموشی کے ساتھ گھر والوں اور قریبی تعلق رکھنے والوں کو دعوت دیتے رہے، جس کے نتیجہ میں حضرت خدیجہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص، حضرت

عثمان، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت بلال حبشی، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، حضرت ارقم بن ابی الأرقم، حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت سعید بن زید، حضرت فاطمہ بنت خطاب، حضرت خباب بن ارت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم مشرف بہ اسلام ہوئے، پھر و أنذر عشیرتک الأقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے) کے حکم پر پورے خاندان والوں کے سامنے دعوتِ دین کو پیش کیا اور فاصدع بما تؤمر (جس کا حکم دیا گیا ہے، اسے کھلم کھلا کیجئے) کے ارشاد ربانی کے نتیجہ میں پورے مکہ میں علی الاعلان تبلیغ کا فریضہ انجام دینے کا آغاز کیا۔

قریش کی ایذا رسانی

کھلم کھلا تبلیغ کا کام شروع ہوتے ہی اہل مکہ آگ بگولہ اور حتی المقدور مسلمانوں کے درپئے آزار ہوگئے، جس پر جس کا بس چلتا، ستاتا اور اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں دیتا، کسی کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیا جاتا، کسی کو اس وقت مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر سینہ پر پتھر رکھ دیا جاتا، جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی، کسی کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا، کسی کے گلے میں رسی ڈال مکہ کی گلی گلی میں کھینچا جاتا؛ لیکن اسلام کی سعادت سے محظوظ ہونے والے تمام افراد ان سختیوں کو جھیل جاتے اور اُف تک نہ کرتے۔

حبشہ کی پہلی ہجرت

جب ظلم وستم کی انتہا اور جور و جفا کی حد ہوگئی اور اہل اسلام کے لئے مکہ میں رہنا دوبھر کردیا گیا تو نبوت کے پانچویں سال آں حضرت ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی؛ چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل مسلمانوں کے پہلے قافلہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، ابھی دو ڈھائی مہینے ہی گزرے تھے کہ اُن مہاجرین کو یہ خبر ملی کہ قریش مسلمان

ہو گئے ہیں، لہٰذا وہ واپس آئے، جب مکہ کے بالکل قریب پہنچے تو اس خبر کے جھوٹے ہونے کی اطلاع ملی، اب ''نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن'' کی صورت تھی، لہٰذا کچھ لوگ چھپ چھپا کر، جب کہ کچھ کسی کی پناہ میں مکہ داخل ہوئے اور بعض حبشہ کی طرف لوٹ گئے۔

حبشہ کی دوسری ہجرت

اب ستم پہلے سے کہیں زیادہ طلاطم خیز ہو گیا، مہاجرین تو فرسٹ ٹارگٹ تھے ہی، عام مسلمان بھی پورے طور پر اس لپیٹ میں آئے، ناچار رسول اللہ ﷺ نے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ حبشہ کا مشورہ دیا، تاہم یہ ہجرت پہلی ہجرت سے زیادہ پر خطر تھی؛ لیکن مسلمانوں کی مستعدی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت کو بھی آسان بنا دیا؛ چنانچہ قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی وہ شاہِ حبش کے پاس پہنچ گئے، یہ ہجرت چھ نبوی میں پیش آئی اور اس قافلہ میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں شامل تھیں۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام

دوسری ہجرتِ حبشہ کے بعد قریش مکہ نے پہلے تو شاہِ حبش کو بھڑکانے اور مسلمانوں کو واپس منگانے کی انتھک کوشش کی، جب اس میں کسی طور کامیابی نہیں ملی تو نعوذ باللہ آں حضرت ﷺ ہی کے قتل کی پلاننگ کر بیٹھے اور اس کے لئے بارہا کوششیں بھی کیں؛ لیکن ''جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے''؛ بل کہ اسی طرح کی ایک کوشش حضرت حمزہؓ جیسے بہادر کے ایمان لانے کا سبب بنا، ایک دن ابوجہل کوہِ صفا کے پاس حضور ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے آپ ﷺ کو سخت سست کہا، آپ ﷺ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا تو یہ آپے سے باہر ہو گیا اور آپ ﷺ کے سر پر پتھر دے مارا، جس کے نتیجہ میں سر سے لہو اچھل پڑا، عبداللہ بن جدعان کی باندی نے یہ سارا ماجرا حضرت حمزہؓ سے کہہ سنایا اور یہی واقعہ آپؓ کے اسلام لانے کا سبب بن گیا، اغلب یہ ہے کہ یہ واقعہ چھ نبوی کے ماہ

ذی الحجہ میں پیش آیا، حضرت حمزہؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے صرف تین دن بعد ہی قریش کو ایک اور جھٹکا لگا، ایسا جھٹکا، جس نے مشرکینِ مکہ سے ظلم وطغیان کی بدمستی کو دور کر کے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا، وہ جھٹکا تھا 'حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا'، ان کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو کچھ تقویت حاصل ہوئی اور بہت سارے کام کھلم کھلا انجام دینے لگے۔

خاندانی حمایت

آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے جب اپنے بھتیجے کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات کا مشاہدہ کیا تو انھوں نے اپنے جداعلی عبد مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور اس بات کی دعوت دی کہ اب تک بھتیجا کی حفاظت وحمایت کی جس ذمہ داری کو وہ تنہا نبھاتے آرہے ہیں، اب اسے سب مل کر انجام دیں، عربی حمیت کے پیش نظر تمام لوگوں نے اسے قبول کیا؛ البتہ ابولہب نے اسے منظور نہیں کیا اور وہ مشرکینِ قریش سے جاملا۔

بنوہاشم ومطلب کا بائیکاٹ

بنوہاشم ومطلب کے اس عہدو پیمان کے بعد مشرکینِ مکہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، وہ سمجھ گئے کہ اب محمد (ﷺ) کو قتل کرنا مکہ کی وادی کو خون سے لالہ زار کرنے کے مرادف ہوگا؛ اس لئے ایک دوسری سنگین تجویز پاس کی کہ بنوہاشم ومطلب سے نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید وفروخت کا معاملہ کریں گے، نہ ان کے ساتھ اٹھیں گے بیٹھیں گے، نہ ان سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے اور نا ہی ان سے بات چیت کریں گے، یہاں تک کہ وہ محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالہ نہ کر دیں، یہ بنوہاشم ومطلب کو مکمل طور پر بائیکاٹ کی تجویز تھی، جس کو لکھ کر صحیفہ کی شکل میں خانۂ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا، اس دستاویز کے نتیجہ میں بنوہاشم ومطلب کے سارے (مسلم وکافر) افراد شعبِ ابی طالب میں سمٹ سمٹا کر محبوس ہوگئے،

بائیکاٹ کا یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال پیش آیا اور مسلسل تین سال تک چلتا رہا، جس میں ان دونوں خاندان کے افراد کی حالت خستہ ہوگئی؛ حتی کہ پتے چبانے اور سوکھے چمڑے ابال کر کھانے کی نوبت پہنچ گئی، پھر ان لوگوں کی کوششوں سے، جو ابتدا ہی سے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف تھے، اس صحیفہ کو چاک کیا گیا اور پورے تین سال کے بعد (محرم دس نبوی میں) بنو ہاشم و مطلب شعب ابی طالب کے حصار سے باہر نکلے۔

حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات

چچا ابو طالب کی عمر اسی سے تجاوز کر چکی تھی اور کئی طرح کے آلام نے جکڑ لیا تھا، شعب ابی طالب سے نکلنے کے کچھ مہینے بعد بیماری کا شدید حملہ ہوا، جو دن بہ دن بڑھتا گیا اور بالآخر محصوری کے خاتمے کے چھ ماہ بعد رجب دس نبوی میں ان کا انتقال ہوگیا، ابو طالب کے انتقال کے دو ماہ بعد آں حضرت ﷺ کی پہلی غم گسار بیوی حضرت خدیجہؓ بھی رمضان المبارک کے مہینے میں جوارِ رحمت میں چلی گئیں، یہ دونوں الم انگیز حادثے صرف چند ماہ فاصلہ سے یکے بعد دیگرے پیش آئے، جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے قلب میں رنج و غم کے احساسات موجزن ہوگئے اور چوں کہ چچا ابو طالب اور زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کی وجہ سے جو کچھ اب تک لحاظ کیا جاتا تھا، اب قوم نے اپنے سر سے لحاظ کی وہ چادر اترتی ہوئی محسوس کی؛ چنانچہ ان کی طرف سے مصائب کا طومار بندھ گیا اور کھلم کھلا اذیت دینے اور تکلیف پہنچانے لگے، اس کیفیت نے آپ ﷺ کے حزن میں اور اضافہ کر دیا۔

طائف کا سفر

آں حضرت ﷺ غم و اندوہ کی اس کیفیت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے اور مکہ والوں سے مایوس ہو کر مکہ سے تقریباً ساٹھ میل دور طائف کے سفر کا ارادہ کیا کہ شاید ان کے دلوں کے اندر کچھ زرخیزی ہو اور وہ حق کو قبول کرلیں؛ لیکن وہاں کی زمین بھی بنجر ثابت ہوئی

اورآں حضرت ﷺ کے دس دن قیام کے باوجود ایک فرد بھی ایسا نہ ملا، جو دعوتِ دین کو اپنے سینے سے لگاتا؛ بل کہ اس کے برخلاف وہاں کے سرداروں نے اوباشوں کو پیچھے لگادیا، جو راہ چلتے بھپتیاں کستے اور پتھر برساتے، پتھر اتنے برسائے گئے کہ آپ ﷺ کے جوتے خون میں نہا گئے، بالآخر عُتبہ وشیبہ کے باغ میں آپ ﷺ نے پناہ لی، دونوں بھائیوں نے اپنے غلام عدّاس سے کہا کہ اسے انگور کا ایک خوشہ دے آؤ، جب عداس انگور لے کر پہنچا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا، عداس نے کہا: یہ جملہ اس علاقہ کے لوگ تو نہیں بولتے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہاں کے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نینوا کا رہنے والا ہوں اور میں عیسائی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا! تم مردِ صالح یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو، اس نے پوچھا: آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا: وہ میرے بھائی تھے، وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، یہ سن کر اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور سر کو بوسہ دیا۔

باغ میں تھوڑی دیر آرام کے بعد ٹوٹے دل اور نڈھال طبیعت کے ساتھ مکہ کی راہ پر چل پڑے، جب 'قرنِ منازل' پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے پہاڑوں کے فرشتوں کو ہمراہ لے کر تشریف لائے اور عرض کناں ہوئے: اگر آپ حکم دیں تو اہل طائف کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا، جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی''، پھر آپ ﷺ مکہ واپس آئے اور دیگر قبائل عرب کو دعوت دینے لگے۔

موسم حج میں تبلیغ

موسم حج میں آں حضرت ﷺ رات کے وقت قبائل کے لوگوں کے پاس جا کر دین کی دعوت دیتے تھے، ایک رات منیٰ کی گھاٹی سے آپ ﷺ کا گزر ہوا تو کچھ لوگوں کو باہم گفتگو کرتے

ہوئے پایا، ان کے پاس گئے اور دریافت کیا: آپ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور اسلام کی طرف بلایا، پھر قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، ان لوگوں نے یہ سن کر آپس میں کہا: یہ تو وہی نبی ہیں، جن کے حوالہ سے یہود دھمکیاں دیا کرتے ہیں، دیکھو! کہیں وہ تم پر سبقت نہ لے جائیں، پھر ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، یثرب (مدینہ منورہ) کے ان چھ سعادت مند روحوں کی آمد سن گیارہ نبوی کے موسم حج میں ہوئی تھی، جب وہ واپس یثرب گئے تو انھوں نے اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، جس کے نتیجہ میں وہاں کے گھر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا چرچا عام ہوگیا، اسی سال شوال میں آں حضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا۔

گھاٹی کی پہلی بیعت

یثرب کے مشرف بہ اسلام لانے والی مقدس روحوں کی تبلیغ سے آئندہ سال (ذی الحجہ بارہ نبوی) موسم حج میں وہاں کے بارہ آدمیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور سعادتِ اسلام سے مشرف ہوئے، سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کو ''پہلی بیعت عقبہ'' کے نام سے لکھا جاتا ہے، جب حج اختتام کو پہنچ گیا تو حضور ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ حضرت مُصعب بن عُمیرؓ کو اپنا پہلا سفیر بنا کر یثرب بھیجا، ان کی کوششوں سے سوائے چند مکانات کے انصار کے تمام گھرانوں نے اسلام قبول کرلیا، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ دین کے کام میں جب اپنے ساتھ نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ دوسروں کے ذریعہ سے کام لیتے ہیں۔

اسراء و معراج

نبی کریم ﷺ اہل مکہ کی تکالیف اور اہل طائف کے مصائب سے چور اور پورے طور پر رنجور تھے، ایسے وقت میں ڈھارس بندھانے اور تسلی دینے کی ضرورت تھی، نبوت کے

بارہویں سال اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسراء ومعراج کرایا، مکہ سے راتوں رات ایک تیز رفتار سواری ''رفرف'' کے ذریعہ بیت المقدس تک کا سفر کرایا، وہاں تمام انبیاء تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے تمام کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آں حضرت ﷺ کو لے کر آسمان در آسمان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کراتے ہوئے ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک پہنچے، جہاں آپ ﷺ کے لئے ''بیتِ معمور'' کو ظاہر کیا گیا، پھر شاہنشاہِ عالم کے دربار میں پہنچایا گیا، آپ ﷺ رب العالمین جل جلالہ سے دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ کے بقدر قریب ہو گئے، یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی کی اور پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں، واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دریافت کرنے پر بتایا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ امت اس بار کو برداشت نہ کر پائے گی؛ اس لئے نمازوں کو کم کروائیے، آں حضرت ﷺ رب العالمین کے دربار میں کئی بار گئے، حتیٰ کہ پچاس وقت کی نماز کے ثواب کے ساتھ پانچ وقت کی نمازیں فرض باقی رہیں۔

گھاٹی کی دوسری بیعت

نبوت کے تیرہویں سال یثرب کے ستر سے زیادہ مسلمان فریضۂ حج کی ادائے گی کے لئے مکہ مکرمہ آئے اور ایام تشریق کی درمیانی رات جمرۂ عقبہ کے پاس آں حضرت ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور حضور ﷺ کے یثرب آجانے کی صورت میں مکمل طور پر حفاظت کی ذمہ داری قبول کی، یہ بیعت عقبہ کی دوسری بیعت یا ''بیعتِ کبریٰ'' کے نام سے جانی جاتی ہے، اس بیعت کے بعد آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو یثرب ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، مسلمان ہجرت کے معنی خوب سمجھتے تھے؛ لیکن دین کی حفاظت کے لئے تمام تر مفادات تجنے کے لئے تیار ہو گئے اور آہستہ آہستہ نکلنے لگے، مشرکینِ مکہ روکاوٹیں بھی کھڑی کرنے لگے، ان تمام کے باوجود بیعت کبریٰ کے تقریباً تین ماہ کے اندر اندر تقریباً تمام مسلمان ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئے، مکہ میں

صرف آں حضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ اور وہ مسلمان باقی رہ گئے، جنھیں مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا۔

دارالندوہ کا مشورہ

جب مسلمان بال بچوں سمیت ہجرت کر گئے تو مشرکینِ مکہ کے اندر غم والم کے لاوے پھوٹ پڑے اور انھیں اپنی بت پرستانہ تہذیب پر خطرہ محسوس ہوا؛ اس لئے انھوں نے اپنی پارلیمنٹ ''دارالندوہ'' میں جمع ہوکر نبی کریم ﷺ کے قتل کی ظالمانہ سازش رچی اور طے یہ پایا کہ ہر قبیلہ کا صاحبِ نسب بانکا جوان تیز تلوار لے کر محمد (ﷺ) کا رخ کرے اور سب مل کر یکبارگی اس طرح قتل کریں، جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ محمد (ﷺ) کا خون سارے قبائل میں تقسیم ہوجائے گا اور بنوعبد مناف اکیلے سارے قبائل سے انتقام لینے پر قادر نہ ہوسکے گا، یہ طے ہوجانے کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔

ہجرت کا آغاز

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دارالندوہ کی اس سازش سے آں حضرت ﷺ کو آگاہ کیا اور یہ اطلاع بھی دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی ہے، یہ بھی بتایا کہ آج آپ اپنے اس بستر پر نہ سوئیں، جس پر سویا کرتے ہیں، اس اطلاع کے بعد حضور ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے اور ہجرت کے سارے معاملات طے کر کے آئے، اِدھر مشرکینِ مکہ اپنے سازش کے نفاذ کی تیاری میں مشغول تھے اور اُدھر آں حضرت ﷺ ہجرت کے لئے پابہ رکاب، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر اپنی چادر اوڑھ کر سونے کا حکم فرمایا اور ٹھیک اس وقت مشرکینِ مکہ کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے گھر سے نکل گئے، جس وقت تمام سازشی آپ ﷺ کے گھر کے سامنے جمع ہوکر آپ کے سونے کے منتظر تھے، دراصل جب آپ ﷺ نکلنے

لگے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر نیند طاری کر دی، جس کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکے، آپ ﷺ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئے اور وہاں سے نکل کر دونوں رات ہی رات یمن کے رخ پر چند میل پر واقع ''ثور'' نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے، مشرکینِ مکہ انتظار ہی میں رہے؛ یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو حضرت علیؓ کو آں حضرت ﷺ کے بستر سے اٹھتے ہوئے دیکھ کر اُن کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے اور وہ اپنی سازش میں ناکام و نامراد ہو کر اپنے گھروں کو لوٹے۔

آں حضرت ﷺ کی مکہ سے یہ روانگی ۲۷ر صفر سن چودہ نبوی کی درمیانی رات کو پیش آئی، آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ مشرکینِ مکہ روکنے کے لئے پوری جاں فشانی سے کام لیں گے اور سب سے پہلے اس رخ پر تلاش کے لئے نکل پڑیں گے، جو مدینہ کی جانب ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے الٹے رخ کو اختیار کرتے ہوئے مکہ کے جنوب میں پانچ میل پر واقع 'ثور' نامی پہاڑ تک کا سفر تیز رفتاری کے ساتھ کیا؛ تاکہ طلوع صبح سے پہلے پہلے کسی محفوظ ٹھکانہ پر پہنچا جا سکے، یہ پہاڑ نہایت پُر پیچ، بلند اور مشکل چڑھائی والا تھا، یہاں پتھر بھی بہ کثرت تھے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے قدمِ مبارک زخمی بھی ہو گئے تھے، پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو اٹھا لیا اور دوڑتے پہاڑ کی چوٹی پر واقع غار کے پاس جا پہنچے، جو تاریخ میں ''غارِ ثور'' کے نام سے معروف ہے، غار کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کو اتارا اور خود غار کے اندر داخل ہوئے اور اسے صاف کیا، وہاں کچھ سوراخ تھے، جنھیں اپنا تہہ بند پھاڑ کر بند کیا، دو سوراخ بچے ہوئے تھے، جن میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنا پاؤں رکھ دیا، پھر آں حضرت ﷺ کو اندر تشریف لانے کے لئے کہا، آپ ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے، ادھر حضرت ابوبکرؓ کے پیر میں کسی چیز نے ڈس لیا؛ لیکن آپ ﷺ کی بیداری کے ڈر سے آپؓ ہلے تک نہیں؛ البتہ ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے روئے مبارک پر ٹپک پڑے، جس سے آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ کسی

چیز نے ڈس لیا ہے تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعابِ دہن لگایا، جس سے تکلیف جاتی رہی، اس غار میں دونوں حضرات نے تین راتیں بسر کیں، حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ ان دنوں یہیں رات گزارتے اور صبح مکہ میں کرتے، نیز مکہ میں ہونے والی سازشوں کی خبر بھی دیتے رہتے، جب کے حضرت ابوبکرؓ کے غلام حضرت عامر بن فُہیرہؓ دن بھر بکریاں چراتے اور رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد غار کے پاس لے آتے، جس سے آں حضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے، پھر یہ بکریاں ہانکتے ہوئے مکہ کو روانہ ہو جاتے، تین دنوں تک یہی معمول رہا۔

تلاش وانعام

آپ ﷺ کے مکہ سے نکل جانے کے بعد مشرکینِ مکہ باؤلے ہوگئے اور ایک ہنگامی اجلاس کر کے دونوں حضرات کو گرفتار کرنے کے تمام ممکنہ وسائل کو استعمال میں لانا طے کیا، اس کے لئے مکہ سے نکلنے والے تمام راستوں پر پہرہ بٹھایا گیا اور دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو گرفتار کر کے لانے والے کے لئے سو اونٹ کا بیش بہا انعام طے کیا گیا، اس انعام کا سننا تھا کہ سوار و پیادہ کھوجی کتوں کی طرح پہاڑوں اور وادیوں میں تلاش کرنے لگے، تلاش کرنے والے غار کے دہانہ تک بھی پہنچے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا؛ اس لئے حاصل نتیجہ صفر رہا۔

اُم مَعْبَد کے گھر میں

جب قریش کی جستجو کے جذبات سرد اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان کے چہرے زرد پڑ گئے اور راستوں کے خطرات ٹل گئے تو آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے غار سے نکل کر مدینہ جانے کا عزم کیا اور ماہ ربیع الاول کے دوشنبہ (پیر) کے دن سن ایک ہجری کو عبداللہ بن اُریقط لیثی کی رہبری میں نکلے، حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ نے زادِ راہ تیار کر کے ساتھ کیا، پھر چار افراد (حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ بھی ساتھ تھے) پر مشتمل یہ قافلہ روانہ ہوا، راستہ میں ام معبد نامی

خاتون کے گھر کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا: کیا کھانے کے لئے کچھ ہے؟ جواب دیا: بخدا اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو میزبانی میں بخیلی سے کام نہ لیتی، آں حضرت ﷺ کی نظر گھر کے گوشہ میں بیٹھی ہوئی ایک مریل بکری پر پڑی، پوچھا: یہ کیسی بکری ہے؟ جواب ملا: اس کی لاغری نے ریوڑ سے پیچھے کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت ہو تو دوہ لوں؟ جواب دیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دودہ لیں، آپ ﷺ نے بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا اور اللہ کا نام لے کر دعا کی، بکری کے تھن میں بھرپور دودھ اتر گیا، جسے ایک بڑے برتن میں نکالا گیا، تمام لوگوں نے پیا اور پھر اتنا ہی دودھ برتن میں چھوڑ کر یہ قافلہ روانہ ہو گیا۔

سراقہ حضور ﷺ کے تعاقب میں

قریش کی طرف سے اعلان کردہ سو اونٹوں کے انعام کی لالچ میں سراقہ بن مالک بن جعشم نے آں حضرت ﷺ کا تعاقب کیا، جب قریب پہنچا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر آرہا، اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھا؛ لیکن تیر برخلاف کا نکلا، اس کے باوجود سراقہ نے پھر پیچھا کرنے کی کوشش کی؛ یہاں تک کہ اچانک اس کے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور دھویں جیسا غبار آسمان کی طرف اڑا، جس سے اسے کچھ خوف لاحق ہوا اور امان کے ساتھ انھیں پکارا، پھر ان کے پاس پہنچ کر قریش کی کچھ باتیں بتائیں اور زادِ راہ پیش کیا؛ لیکن آپ ﷺ نے لینے سے انکار کیا اور کہا: ہمارے متعلق رازداری برتنا، اب سراقہ نے پروانۂ امن کی گزارش کی، آپ ﷺ نے حضرت عامر بن فہیرہؓ کو حکم دیا تو انھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر دیا، پھر حضور ﷺ کا قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔

قبا میں

باشندگانِ مدینہ نے آں حضرت ﷺ کی ہجرت کی خبر شوق کے کانوں سے سنی تھی؛ اس

لئے روزانہ صبح آپ ﷺ کے استقبال کے لئے ''حرّہ'' تک آتے تھے، جب دھوپ چڑھ آتی تو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے، ایک دن کی بات ہے، اہلِ مدینہ انتظار کے بعد گھروں کو لوٹ رہے تھے کہ اچانک ایک یہودی کی نظر دور سے آپ ﷺ کے قافلہ پر پڑی اور وہ بے ساختہ چلا اٹھا: عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا نصیب، جس کا تم انتظار کر رہے تھے، یہ سننا تھا کہ مسلمان ہتھیاروں کی طرف لپک پڑے؛ تاکہ سج دھج کر آپ ﷺ کا استقبال کیا جائے، نعرۂ تکبیر سے فضا گونج اٹھی اور آپ ﷺ ۸/ربیع الاول (۲۰/ستمبر ۶۲۲ء) بروز دوشنبہ چودہ نبوی (ہجرت کے پہلے سال) کو ''قبا'' نامی بستی میں اترے، یہ مدینہ سے ۳/کیلو میٹر کے فاصلہ پر واقع مسلمانوں کی اولین بستی ہے، جہاں نبوت کے بعد پہلی مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔

مدینہ میں

قبا سے چل کر بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہنچے، جمعہ کا وقت ہو جانے کی وجہ سے 'بطنِ وادی' میں جمعہ کی پہلی نماز ادا کی گئی، جمعہ کے بعد مدینہ کا رخ فرمایا، یہ ایک تاریخی دن تھا، گلی کوچہ تقدیس وتحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے، انصار کی بیٹیاں فرحت وانبساط سے زمزمہ سنج تھیں:

اشرق البدر علینا	من ثنیات الوداع
(ہم پر چودہویں کا چاند طلوع ہوا)	(وداع (جنوب) کی گھاٹیوں سے)
وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
(ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے)	(کیسا ہی عمدہ دین اور تعلیم ہے)
أیھا المبعوث فینا	جئت بالأمر المطاع
(اے ہمارے درمیان بھیجے ہوئے شخص)	(آپ قابلِ اطاعت چیز لے کر آئے ہیں)

مدینہ کے ہر فرد کی خواہش تھی کہ آں حضرت ﷺ ان کے گھر پر قیام فرمائیں؛ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، اونٹنی چلتی رہی؛ یہاں تک کہ آج جہاں مسجد نبوی

ہے، وہاں بیٹھ گئی، یہ حضور ﷺ کا نانیہال بنونجار کا محلّہ تھا، حضرت ابوایوبؓ (خالد بن زید) نے لپک کر کجاوہ اٹھایا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی اپنے کجاوہ کے ساتھ ہے'' اور اس طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کو نبی ﷺ کے قیام کی سعادت سے سرفرازی حاصل ہوئی۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد بنانے کی فکر کی اور اس کے لئے دو یتیم بچوں (سہل اور سہیل) سے زمین خرید کر (حالاں کہ وہ ہدیہ کرنا چاہ رہے تھے) ایک مسجد بنائی، جس کی تعمیر میں صحابہ کے ساتھ ساتھ عام مزدور کی طرح آں حضرت ﷺ بھی حصہ لے رہے تھے، پھر مہاجر اور انصار صحابہ کے مابین بھائی چارہ (مواخات) قائم فرما کر گھر بار چھوڑ کر آنے والے مہاجرین کے سروں پر سایہ مہیا فرمایا، اس کے بعد مدینہ اور اس کے اطراف میں آباد قبائل سے اپنے دین پر باقی رہتے ہوئے وقتِ ضرورت ایک دوسرے کی مدد و تعاون اور ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ عدمِ رواداری کے سلسلہ میں معاہدہ کیا۔

مدینہ کی چراگاہ پر حملہ

جب مکہ سے مسلمان گھر بار چھوڑ چھاڑ کر چلے آئے تو مشرکینِ مکہ کے کلیجوں میں ٹھنڈک پڑنے کے بجائے شعلے بھڑک اٹھے، مکہ ہی سے ان کو دھمکانے اور وہاں آباد قبائل سے ساز باز کرنے لگے، حتی کہ مکہ کے ایک رئیس کُرز بن جابر فہری نے اپنے سواروں کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے آں حضرت ﷺ کے مویشی لوٹ لے گیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے چوکنا رہنا ضروری ہوگیا؛ تاکہ ناگہانی حملہ سے بچا جا سکے، حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ساتھ 'بطنِ نخلہ' کی طرف یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ وہاں قیام کر کے قریش کے حالات سے

آگہی حاصل کی جائے، اتفاق یہ کہ شام سے تجارتی اموال لے کر آتے ہوئے قریش کے چند افراد کا گزر اِدھر ہی سے ہوا اور انھوں نے مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھ بھی لیا؛ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے اُن پر اس لئے حملہ کیا کہ مبادا یہ قریش کو ہماری اطلاع بہم پہنچادیں، جس کے نتیجہ میں عَمرو بن الحضرمی واصلِ جہنم ہوا، جب کہ دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا، جب اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا: ''میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی'' اور مالِ غنیمت میں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا۔

ابوسفیان کا تجارتی قافلہ

حضرمی کے قتل کی خبر مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پہنچی، جس کی وجہ سے پورے مکہ میں انتقام وقصاص کی آتشِ نمرود بھڑک اٹھی، اِدھر رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں قریش کا تجارتی قافلہ مال ومتاع سے لدا پھندا شام سے واپس آرہا ہے، یہ اُن لوگوں کا قافلہ تھا، جنھوں نے مسلمانوں کے نہ صرف مال ومتاع پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا؛ بل کہ انھیں ان کے محبوب وطن کو بھی چھوڑنے پر مجبور کیا تھا؛ چنانچہ حضور ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''یہ قریش کا قافلہ ہے، جس میں ان کے اموال ہیں، چلو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں سے کچھ تمھیں دلادے''، مسلمان اس قافلہ کی تلاش میں نکل پڑے، اُن کے سان وگمان میں بھی نہیں تھا کہ طاقت آزمائی کی نوبت آئے گی۔

بدر میں

جب (حضرت) ابوسفیان کو یہ خبر ملی کہ مسلمان اس کے قافلہ کے منتظر ہیں تو اس نے قریش کو مدد کے لئے بلایا، ابھی اہلِ مکہ کے سینے حضرمی کے قتل پر فگار ہی تھے کہ ابوسفیان کے اس پیغام نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پورا مکہ ثار وانتقام کی آگ میں جل اٹھا؛ چنانچہ زرہ پوش وہتھیار بند اور گھڑ سواروں پر مشتمل ہزار افراد کی جمعیت بڑے طمطراق کے ساتھ اسلام اور اہلِ اسلام کی بیخ

کنی کے لئے نکل پڑی، قریش کے تمام سربرآوردہ لوگ بھی اس میں شامل تھے، جب یہ لوگ مقام 'جحفہ' تک پہنچے تو ابوسفیان کا دوسرا خط ملا کہ "تم جس ارادہ سے نکلے تھے، وہ پورا ہوگیا، قافلہ صحیح سالم نکل چکا ہے؛ اس لئے تم لوگ بھی واپس آجاؤ"، تمام لوگوں نے واپسی کا ارادہ بھی کیا؛ لیکن ابوجہل نے قسم کھائی کہ ہم اسی شان سے بدر تک جائیں گے اور اونٹوں کو ذبح کرکے خود بھی کھائیں گے اور دوسروں کو بھی کھلائیں گے؛ تاکہ سارے عرب پر ہمارا دغدغہ بیٹھ جائے، لہٰذا عدی وزہرہ اور قریش کے کچھ لوگوں کے علاوہ تمام لوگ بدر کے ایک کنارے خیمہ زن ہوئے۔

غزوۂ بدر

آپ ﷺ کو بھی یہ خبر مل چکی تھی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے لاؤ لشکر کے ساتھ نکل پڑے ہیں؛ چنانچہ آپ نے ﷺ صحابہ سے مشورہ کیا، اور تمام صحابہ کو مستعد پاکر بدر کی طرف روانہ ہوئے، بدر پہنچ کر ایک دن پورا آرام فرمایا، دوسرے دن دونوں فریق ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار تھے، جب دونوں طرف صف بندی ہوگئی تو قریش کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے نکلے، مسلمانوں کے لشکر سے حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم ان کی مقاومت کے لئے نکلے، عتبہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ جواب ملا: ہم انصار ہیں، عتبہ نے کہا: "ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں"، پھر آں حضرت ﷺ سے بلند آواز میں کہا: "اے محمد! ہماری قوم کے ہم سروں کو بھیجو"، آپ ﷺ نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، جب یہ حضرات اُن سے قریب ہوئے تو انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ جب انھوں نے اپنا نام بتایا تو اُن لوگوں نے کہا: "ہاں! اب یہ ہمارے صحیح جوڑ ہیں"؛ چنانچہ حضرت علیؓ ولید کے ساتھ مزاحم ہوئے اور اس کا قصہ پاک کیا، حضرت حمزہؓ شیبہ سے نبرد آزما ہوئے اور اس کا کام تمام کیا، جب کہ حضرت عبیدہؓ عتبہ کے ساتھ مقابلہ آرا ہوئے؛ لیکن

خود زخمی ہوگئے، حضرت علیؓ نے لپک کر عتبہ کے لہو کا جوش ٹھنڈا کر دیا، پھر عام حملہ شروع ہوگیا، تیروں کے مینھ برسنے لگے،تلواروں کی جھنکار سنائی دینے لگی اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ دِہا کے دینے لگی، فریقین اس طرح ایک دوسرے میں گھس گئے، جیسے تشبیک کے وقت ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل کی جاتی ہیں،مرنے لگے اور مارنے لگے،ایک طرف تین سو تیرہ کی تعداد، نہ سواری کے لئے گھوڑے، نہ لڑنے کے لئے مناسب ہتھیار؛ لیکن دین کی خاطر کفن دوش اور برسرِ پیکار، دوسری طرف ہزار کی جمعیت،سواری کے لئے گھوڑے، آلاتِ حرب وضرب سے لیس،لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ ذکرواذکار،تسبیح وتہلیل اور دعاوابتہال کرتے ہوئے مکمل طور پر اپنے رب کے دربار میں پہنچ گئے، کبھی سائلانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح و کامیابی کی دعا مانگتے، کبھی فقیرانہ دست دراز کرکر کے نصرت وشادکامی کی صدا لگاتے، کبھی جبینِ مبارک سجدہ ریز، کبھی چشمہائے مسعود تلاطم خیز، محویت واستغراق کا یہ عالم کہ ردائے مبارک شانہ سے ڈھلک ڈھلک جاتی، آپ ﷺ کہتے جاتے: ”اے اللہ! جس چیز کا تونے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اسے پورا فرما، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہوسکے گی“، پھر آں حضرت ﷺ نے ایک مٹھی سنگریزہ زمین سے اٹھا کر”شاھت الوجوہ“ پڑھ کر اس پر دم کیا اور کافروں کی طرف پھینکا، جو تمام جنگجوانِ کفار کی آنکھوں میں پڑا، وہ آنکھ ملنے لگے، جب کہ مسلمان اُنھیں قتل کرنے لگے، دم خَم کے ساتھ نکلے ہوئے تقریباً سارے صنادیدِ عرب ایک ایک کر کے مارے گئے اور کبروغرور کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر نکلا ہوا کفارِ قریش کا لشکر شکست وریخت سے بری طرح دوچار ہوا، تقریباً ستر افراد مشرکینِ مکہ کے قتل ہوئے اور اتنے ہی کو پابہ جولاں مدینہ لایا گیا، جب کہ مسلمانوں میں سے بائیس شہید ہوئے، یہ کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں کی باقاعدہ پہلی جنگ تھی، جو ۱۷رمضان المبارک دو ہجری (۱۳/مارچ ۶۲۴ء) میں پیش آیا۔

مقتولین ومحبوسین بدر

جنگ ختم ہونے کے بعد باقی ماندہ کفار کو قید کرلیا گیا، پھر آپ ﷺ نے انسانیت کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مقتولین کو کنویں میں ڈلوادیا اور اوپر سے مٹی پاٹ دی گئی، پھر مدینہ کی طرف کوچ فرمایا، مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کے درمیان یہ حکم دیتے ہوئے تقسیم فرمایا: ''قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو''، چندروز کے بعد اسیرانِ بدر کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور صاحبِ استطاعت قیدیوں سے فدیہ لے کر اور غیر مستطیع کو بلا فدیہ آزاد فرمادیا؛ البتہ جو غیر مستطیع پڑھے لکھے تھے، انھیں حکم دیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو تعلیم دیں اور آزاد ہوجائیں۔

اسی سال رمضان المبارک کے روزے اور صدقۂ فطر فرض کئے گئے اور زکوۃ کے مختلف نصابوں کی تعیین کی گئی۔

قبیلۂ غطفان اور غزوۂ سویق

بدر سے واپسی کے صرف سات دن بعد شوال دوہجری میں آں حضرت ﷺ کو خبر ملی کہ قبیلۂ غطفان کی شاخ بنوسلیم کے لوگ مدینہ پر چڑھائی کے لئے مجتمع ہورہے ہیں، آپ ﷺ نے دوسو سواروں کے ساتھ انہی کے علاقے میں دھاوا بول دیا، اس اچانک حملہ سے افراتفری مچ گئی اور وہ پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے، لشکر اسلام نے اس پر قبضہ کرلیا اور خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کردیا گیا، کچھ دنوں کے بعد بنوقینقاع کی عہد شکنی اور فتنۂ وفساد بھڑکانے کی وجہ سے انھیں جلاوطنی کا حکم دیا، اسی سال ذی الحجہ کے مہینے میں ابوسفیان بدر کی ندامت کو مٹانے کے لئے مدینہ کے اطراف میں عریض نامی مقام پر حملہ کیا اور کچھ کھجور کے درخت جلا اور کچھ کاٹ دئے اور ایک انصاری اور اس کے حلیف کو کھیت میں پاکر قتل بھی کردیا، آں حضرت ﷺ کو جب اس کی خبر

ملی تو آپ ﷺ نے تعاقب کیا؛ لیکن وہ لوگ تیز رفتاری کے ساتھ بھاگ نکلے اور بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے ستو کی تھیلیاں بھی پھینکتے گئے، اسی لئے اس غزوہ کا نام ''غزوۂ سویق'' پڑا۔

غزوۂ احد

غزوۂ بدر میں کفار قریش کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا، جس کا بدلہ لینے کے لئے قریش نے بھرپور تیاری کی، ابوسفیان نے قریش سے اُس تجارتی منافع کو جنگ میں استعمال کرنے کا مشورہ دیا، جو غزوۂ بدر کے موقع سے وہ لے کر آیا تھا، قریش نے انتقام کے لئے ابوسفیان کے اِس مشورہ کو قبول کیا اور ایک ایسی جنگ کی تیاری میں مصروف ہوگئے، جو مسلمانوں کی کمر توڑ کر رکھ دے، سال پورا ہوتے ہوتے قریش کی تیاریاں مکمل ہوگئیں اور قریشیوں کے علاوہ ان کے حلیفوں اور احابیش (بنوکنانہ اور بنوخزاعہ کے وہ لوگ، جنھوں نے مکہ حُبْشی نامی پہاڑ کے نزدیک اکھٹے ہوکر عہدو پیمان کیا تھا) کو ملا کر جنگجوؤں کی تعداد تین ہزار تک پہنچی، انھوں نے عورتوں کو بھی اپنے ساتھ رکھ لیا؛ تاکہ عزت و ناموس کی حفاظت کا جذبہ رجوعِ قہقریٰ (پیچھے لوٹنے) کا خیال تک نہ آنے دے، حضرت عباسؓ قریش کی ساری نقل وحرکت کا بغور مطالعہ کرتے رہے اور جوں ہی قریشی لشکر مدینہ کے لئے حرکت میں آئی، انھوں نے ایک خط لکھ کر تیز رفتار قاصد کے ذریعہ آں حضرت ﷺ کو اطلاع بھجوائی، اس خبر کے پہنچتے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ناگہانی حملہ سے بچنے کے لئے مدینہ کے راستوں پر طلایہ گردی شروع کردی اور ہمہ وقت ہتھیار بند رہنے لگے، پھر آپ ﷺ نے دفاعی حکمتِ عملی کے لئے صحابہ سے مشورہ فرمایا، مشورہ میں آخری فیصلہ یہ طے ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں معرکہ آرائی کی جائے، آپ ﷺ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ''شیخان'' نامی مقام پر پہنچ کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور جو کم سن تھے، انھیں واپس فرمادیا، شام ہونے کی وجہ سے یہیں پر آپ ﷺ نے شب باشی فرمائی؛ البتہ پچاس صحابہ کو منتخب فرما کر نگرانی

پر مامور فرمایا، صبح صادق سے پہلے ہی یہاں سے کوچ فرمایا اور ''شوط'' نامی مقام پر نمازِ فجر ادا فرمائی، یہیں عبداللہ بن اُبی کی منافقت کھل کر ظاہر ہوئی اور اس نے یہ کہہ کر کہ ''محمد (ﷺ) نے میری رائے پر عمل نہیں کیا'' اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر علاحدہ ہو گیا، شاید اس کی غرض یہ تھی کہ عین موقع پر مسلمانوں کے اندر کھلبلی مچ جائے اور مشرکین کو فائدہ حاصل ہو جائے، اب حضور ﷺ باقی ماندہ سات سو لوگوں کے ساتھ اُحد کی گھاٹی میں پہنچے اور وہیں لشکر کا کیمپ لگوایا، پھر لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور سب سے پہلے پچاس ماہر تیر اندازوں کو منتخب کر کے وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی (جسے 'جبلِ رُماۃ' کہا جاتا ہے) پر متعین فرمایا؛ تاکہ دشمن کا لشکر ادھر سے حملہ آور نہ ہو سکے اور انھیں حکم دیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، تم اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا، اس کے بعد لشکر کی صف بندی کی اور راہِ خدا میں جاں بازی اور شہادت پر وعظ فرمایا، مشرکین نے بھی ترتیب قائم کی، پھر دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں اور مشرکین کی طرف سے طلحہ بن ابوطلحہ عبدری (جسے مسلمان 'کبش الکتیبة' (لشکر کا مینڈھا) کہا کرتے تھے) دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے نکلا، حضرت زبیرؓ تیزی سے لپکے اور مہلت دیے بغیر اس کے اونٹ پر جا چڑھے، پھر اسے لے کر کود ے اور اس کو ذبح کر ڈالا، یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے فرطِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کی، اب عام حملہ شروع ہو گیا، مسلمان کفن بردوش مشرکینِ مکہ کی صفیں اُلٹتے اور آگے بڑھتے جا رہے تھے، شیرِ خدا حضرت حمزہؓ حقیقتاً شیرِ نر بنے ہوئے تھے، بڑے سے بڑا بہادر بھی اُن کے سامنے ٹک نہیں پاتا تھا، انھوں نے جنگ بدر میں بھی کارہائے نمایاں انجام دی تھیں، جنگِ بدر میں انھوں نے جُبیر بن مطعم کے چچا طُعَیمہ بن عدی کو واصل جہنم کیا تھا، لہٰذا جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی بن حرب کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا اور کہا کہ اگر انھیں قتل کر دو تو تمھیں آزاد کر دیا جائے گا، وحشی ایک ماہر نیزہ باز تھا، جو اس جنگ میں صرف انھیں کو قتل کرنے کے لئے شریک ہوا تھا، وہ

مسلسل اسی تاک میں رہا اور جب حضرت حمزہؓ مشرکینِ مکہ کی صفیں زیر وزبر کرتے ہوئے اس جگہ پر پہنچے، جہاں وحشی انھیں کے گھات میں تھا، وحشی نے نیزہ تول کر انھیں مارا، جو ناف کے نیچے پار ہو گیا، انھوں نے پلٹنے کی کوشش کی؛ لیکن گر پڑے اور زندۂ جاوید ہو گئے، اس کے باوجود مسلمانوں کے جنگ کا پلڑا بھاری رہا؛ یہاں تک کہ مشرکین پسپا ہوتے ہوتے راہِ فرار اختیار کرنے لگے اور مسلمان تعاقب میں جٹ گئے، ایسے موقع پر 'جبلِ رُماۃ' کے تیراندازوں سے خوفناک غلطی ہوئی؛ چنانچہ ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہیں؛ اس لئے کچھ وہاں سے مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے اتر پڑے، حضرت خالد بن ولید گویا اسی تاک میں تھے، انھوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے باقی ماندہ تیر اندازوں کو شہید کر ڈالا اور پشت سے مشرکینِ مکہ کے تعاقب میں مصروف مسلمانوں پر اس طرح حملہ کیا کہ جیتی ہوئی بازی ہار میں تبدیل ہونے کے قریب پہنچ گئی، شکست خوردہ مشرکین کی ہمت جمع ہو گئی اور وہ اپنی ساکھ کی بقا کی جنگ میں مصروف ہو گئے، مسلمان مکمل طور پر مشرکین کے نرغے میں آ گئے، خود مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، اتنے میں کسی کافر نے یہ خبر اڑا دی کہ محمد (ﷺ) قتل کر دئے گئے، اس خبر سے بہت سارے مسلمانوں کے رہے سہے حوصلے بھی ٹوٹ گئے، بالآخر آپ ﷺ کی آواز پر مسلمان مجتمع ہوئے؛ لیکن تب تک آپ ﷺ کے گرد کئی جاں باز شہید اور خود آں حضرت ﷺ زخمی ہو چکے تھے، پھر آپ ﷺ مشرکینِ مکہ کے حصار کو ناکام بناتے ہوئے گھاٹی کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگے، جہاں کیمپ لگوایا تھا اور ہزار رکاوٹوں کے باوجود صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ خود بھی اپنے کیمپ میں پہنچے اور دیگر صحابہ کے لئے بھی راستہ ہموار کر دیا، نیچے کفار مکہ مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹنے لگے اور مکہ کے لئے واپسی کی تیاری کرنے لگے، قریش کی واپسی کے بعد مسلمان اپنے زخمیوں اور شہیدوں کی طرف متوجہ ہوئے، خود آں حضرت

ﷺ بھی ان کے معائنہ کے لئے نکلے، شہداء کے بارے حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور پوستین اتار لئے جائیں اور غسل کے بغیر انھیں دفنا دیا جائے، حضرت حمزہؓ کی حالت دیکھ کر سخت غم گین ہوئے، پھر حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ دفن کرنے کا حکم فرمایا، وہ آپ ﷺ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی، شہداء کی تدفین کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کا رخ فرمایا اور ۷/شوال بروز شنبہ سن ۳ھ کو سرشام مدینے پہنچے، غزوۂ احد میں تقریباً ستر مسلمان شہید ہوئے، جن میں اکثریت انصار کی تھی، مہاجرین میں صرف چار صحابہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

عضل وقارہ کی غداری

صفر ۴ھ میں عضل وقارہ کے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمارے یہاں اسلام کا کچھ چرچا ہے، لہٰذا آپ قرآن پڑھانے اور دین سکھانے کے لئے کچھ لوگوں کو روانہ فرمائیں، آپ ﷺ نے دس لوگوں کو ان کے ہمراہ کر دیا، جب یہ لوگ رابغ اور جدہ کے درمیان قبیلۂ ہُذَیل کے رجیع نامی چشمے پر پہنچے تو عضل وقارہ کے لوگوں نے غداری کی اور بنولحیان کو ان کے پیچھے لگا دیا، جن کے سو تیر اندازوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر تیر برسائے، جس کے نتیجہ میں سات افراد شہید ہو گئے، باقی تین لوگوں سے عہد کیا کہ ہتھیار ڈالنے پر تمہیں کچھ نہیں کیا جائے گا؛ لیکن ہتھیار ڈالنے کے بعد ان لوگوں نے بدعہدی کی اور انھیں اپنی کمانوں کی تانت سے باندھ لیا، اس بدعہدی کو دیکھ کر ایک صحابی نے جانے سے انکار کر دیا تو انھیں وہیں قتل کر دیا، جب کہ دو صحابی حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو مکہ لے جا کر بیچ دیا۔

معونہ کے کنویں کا واقعہ

اسی مہینے میں ایک اور جاں کاہ حادثہ پیش آیا، ابو براء عامر بن مالک آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا؛ لیکن

بے زاری بھی ظاہر نہیں کی؛ بل کہ آپ ﷺ سے کہا: اگر آپ اپنے ساتھیوں کو اہلِ نجد کے پاس دعوتِ دین کے لئے بھیجیں تو مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کریں گے، آں حضرت ﷺ نے جواب دیا: مجھے اپنے اصحاب سے متعلق اہل نجد سے خطرہ ہے، تو اس نے کہا: وہ میری پناہ میں ہوں گے، ابو براء کی اس بات کو سن کر آں حضرت ﷺ نے ستر صحابہ کی ایک جماعت اس کے ہمراہ کردی، یہ سب کے سب قراء، سادات اور اخیارِ صحابہ تھے، جب یہ لوگ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان معونہ کے کنویں پر پہنچے تو انھوں نے وہاں پڑاؤ ڈالا اور ام سُلیم کے بھائی حرام بن ملحان کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس روانہ کیا، اس دشمنِ خدا نے اس خط کو دیکھا تک نہیں؛ بل کہ قاصد کو قتل کروادیا، پھر عُصَیَّہ، رِعل اور ذَکوان کے ساتھ مل کر صحابہ کا محاصرہ کرلیا، جواباً صحابہ نے بھی مقابلہ کیا؛ مگر دو صحابی (کعب بن زید بن نجار اور عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہما) کے علاوہ تمام کے تمام شہید ہوگئے، آپ ﷺ اس واقعہ سے بہت زیادہ دل گیر ہوئے؛ حتی کہ ایک مہینے تک نمازِ فجر میں ان قبائل کے لئے بددعائیں بھی کرتے رہے۔

بنونضیر کی جلاوطنی

آں حضرت ﷺ نے یہودِ مدینہ سے تو صلح کرلیا؛ لیکن یہود اندر ہی اندر جلتے بھنتے رہے اور موقع ملتے ہی کچھ نہ کچھ شرارت بھی کرڈالتے، رجیع اور معونہ کے واقعات کے بعد ان کے حوصلے بلند اور جسارتیں بڑھ گئیں؛ یہاں تک کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ ہی کے (نعوذ باللہ) خاتمے کا پروگرام بناڈالا، معونہ کے حادثہ میں عمرو بن امیہ ضمریؓ بچ گئے تھے، وہ جب واپس آنے لگے تو وادی قناۃ کے کنارے مقامِ قرقرہ میں ستانے کے لئے ایک درخت کے سائے میں اترے، اتفاق یہ کہ بنوکلاب کے دو آدمی بھی وہیں اترے، جب وہ بے خبر سوگئے تو اِنھوں نے اپنے ساتھیوں کے بدلہ کے طور پر دونوں کا کام تمام کردیا، جب مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ

نے فرمایا: ان کی دیت ہم پر لازم ہے؛ کیوں کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا عہد تھا، آں حضرت ﷺ انہی مقتولین کی دیت میں تعاون کی بات چیت کے لئے یہود کے پاس گئے کہ وہ آپ ﷺ کے حلیف تھے، انھوں نے جواب میں یقین دلایا؛ لیکن باہر جا کر آپ ﷺ پر پتھر گرا کر آپ ﷺ کو ختم کرنے کا منصوبہ بندی کرنے لگے، حضرت جبرئیلؑ نے اس کی خبر آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ وہاں سے اٹھ کر مدینہ آ گئے اور محمد بن مسلمہؓ کو بنونضیر کے پاس مدینہ سے نکل جانے کا نوٹس دے کر روانہ فرمایا، یہ لوگ جلاوطنی کی تیاری کرنے لگے کہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی نے حکم کی خلاف ورزی پر اکسایا، جس کے نتیجہ میں بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب نے جوابی پیغام یہ بھیجا کہ ہم اپنے ہی دیار میں رہیں گے، آپ کو جو کرنا ہو کر لیں، یہ یہود کی طرف سے غداری تھی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے بنونضیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا، بنونضیر کو اپنے مضبوط قلعوں پر ناز تھا؛ چنانچہ وہ قلعہ بند ہو گئے، آپ ﷺ نے پندرہ دنوں تک ان کا محاصرہ کیا اور ان کے باغوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا، بالآخر بنونضیر مجبور ہو کر اور امن کے خواستگار ہوئے، آپ ﷺ نے انھیں مدینہ خالی کرنے کے لئے دس دن کی مہلت دی اور آلات حرب وضرب کے علاوہ جس قدر سامان لے جا سکتے ہوں، لے جانے کی اجازت بھی دیدی، بنونضیر کے اکثر افراد خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے، جب کہ کچھ دیار شام کی طرف روانہ ہو گئے، یہ ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا۔

غزوۂ ذات الرِّقاع

بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد کچھ ماہ ماحول پرسکون رہا، پھر جمادی الاولیٰ کے ابتدائی دنوں میں آں حضرت ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنومحارب اور بنوثعلبہ جنگ کے لئے تیاری کر رہے ہیں، آں حضرت ﷺ چار سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ نجد کی طرف روانہ ہوئے؛ لیکن آپ ﷺ کی آمد سن کر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے، اس غزوہ کو ''غزوۂ ذات الرقاع'' کہا جاتا ہے،

رِقاع چیتھڑوں کو کہا جاتا ہے، چلتے چلتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیر زخمی ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے انھوں نے پیروں پر چیتھڑے باندھے، اسی وجہ سے اس غزوہ کو ''غزوۂ ذات الرقاع''، یعنی چیتھڑوں والا غزوہ کہا جاتا ہے۔

بنو مصطلق کے ساتھ جنگ

قبیلۂ خزاعہ کا ایک خاندان بنوالمصطلق کہلاتا تھا، یہ خاندان مدینہ سے نو منزل دور مقام ''مُرَیسِیع'' میں آباد تھا؛ چوں کہ یہ پورا قبیلہ قریش کا حلیف اور دوست تھا؛ اس لئے بنوالمصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے قریش کا اشارہ پا کر مدینہ پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں شروع کیں، آں حضرت ﷺ کو جب اس کی خبر پہنچی تو مزید تحقیق کے لئے حضرت زید بن خصیب رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، انھوں نے آ کر خبر کی تصدیق کی، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم فرمایا اور تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اچانک ان پر حملہ دیا، جس کی وہ تاب نہ لا سکے، دس آدمی مارے گئے، باقی سب گرفتار ہوئے، گرفتار ہونے والوں میں سردار حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، اس نے آپ ﷺ سے آ کر کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، اسے آزاد کر دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس معاملہ کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند فرمایا؛ چنانچہ آں حضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

غزوۂ خندق

سن پانچ ہجری کا واقعہ ہے، مخبر نے اطلاع دی ہے کہ کفارِ عرب کی ایک بڑی تعداد (دس ہزار) مدینہ پر یورش کرنے والی ہے، جس کے سامنے مسلمانوں کی معمولی جمعیت (تین ہزار) خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گی، چہرۂ نبوت پر فطرتِ انسانی کی فکر مندی ہویدا ہوئی، ہم نشینانِ دین کو مشورے کے لئے طلب کیا اور ﴿وشاورهم في الأمر﴾ کی کامل تفسیر بن گئے،

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے مستحکم ٹھہری اور مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کی مہم شروع ہوئی، دس دس ہم نشینوں کے ذمہ دس دس گز کی کھدائی سپرد ہوئی، جس میں خود آقا ﷺ کا بھی عملی حصہ تھا، جذبۂ ایمانی اور جوشِ مسلمانی کے ساتھ خندق کھدائی کے اس مہم میں ہر ہم نشین بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا اور تعب نا آشنائی کے اظہار کے لئے سب ہم آواز ہوکر یہ بھی گا رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمداً ۔۔۔ علی الجهاد مابقینا ابداً

(ہم وہ ہیں، جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھوں پر مرتے دم تک جہاد کرنے پر بیعت کی ہے)

خود آپ ﷺ بھی رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے اور حوصلہ افزائی کے لئے ہم نشینانِ اسلام کے رجز کے جواب میں فرمارہے تھے:

اللهم لاعیش إلا عیش الأخرة ۔۔۔ فارحم الأنصار والمهاجرة

(اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، پروردگار! انصار و مہاجرین پر رحم فرما)

خندق کھدائی کے اس مہم کے دوران جاں نثارانِ اسلام کو صبر و شکیبائی کے سخت امتحان سے گزرنا پڑا، ایک جانب مدینہ کے جاڑے کی راتیں تھیں اور دوسری جانب تین تین دن کا فاقہ؛ لیکن ان سرد راتوں اور تین تین دنوں کی فاقہ کشی کی حیثیت سرفروشانِ اسلام کے ''جذبۂ ایمانی'' اور ''جوشِ مسلمانی'' کے سامنے سریرِ مرگ پر پڑی ہوئی بوڑھی مریضہ سے زیادہ نہ تھی؛ چنانچہ ساڑھے سات ہزار فٹ کی طویل خندق (جس کی گہرائی ساڑھے دس فٹ اور چوڑائی ساڑھے تیرہ فٹ تھی)، (حضرت موسیٰؒ بن عقبہ کے قول کے مطابق) کی کھدائی کا کام بیس دنوں میں (اور علامہ سمہودیؒ کی رائے کے مطابق چھ دنوں میں) پایہ تکمیل کو پہنچی۔

کھدائی کے اس مہم کے دوران جاں نثارانِ اسلام اور آقائے نامدار ﷺ نے بھوک کی شدت کو دبائے رکھنے اور پیٹ کی آگ کو ٹھنڈی رکھنے کے لئے اپنے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ

لئے تھے؛ لیکن تا کجے؟ جب آتشِ بھوک کسی طرح سرد نہ ہوئی اور برداشت وتحمل کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو (بعض) صحابہ آپ ﷺ کی خدمت میں شکوہ کناں ہوئے اور پیٹ سے کپڑے ہٹا کر بندھے ہوئے پتھر دکھائے، آپ ﷺ نے ان کی حالت دیکھ کران کی تسلی کے لئے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر دکھایا، آپ ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے، آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کی زبانیں گنگ ہوگئیں اور نگاہیں احساسِ شرمندگی سے خم کہ ہمارے پیٹ پر تو صرف ایک پتھر ہے؛ لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ کے پیٹ پر دو دو پتھر ہیں، یقیناً آپ ﷺ کی فاقہ کشی کے سامنے ہماری فاقہ کشی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

خندق کی کھدائی کا کام فاقہ کشی کے ساتھ ساتھ جاری تھا کہ ایک روز حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! تھوڑا سا آٹا اور بکری کا ایک بچہ گھر پر ہے، آپ ایک دو لوگوں کے ساتھ تشریف لاکر تناول فرمالیں؛ لیکن آپ ﷺ نے خندق کھودنے والوں میں عام منادی کرادی کہ (حضرت) جابر کے یہاں دعوت ہے، اور (حضرت) جابرؓ سے فرمایا: میں جب تک نہ آؤں، سالن چولہے سے نے اتارا جائے اور نہ ہی آٹے کو ہاتھ لگایا جائے، حضرت جابر پریشان خاطر گھر لوٹے اور زوجۂ محترمہ سے ساری بات کہہ سنائی، زوجہ نے انھیں تسلی دی کہ جب آپ ﷺ نے دعوت کی منادی کرائی ہے تو آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ بس آپ ﷺ کے حکم پر عمل کیا جائے، آپ ﷺ اپنے تمام رفقاء کے ساتھ حضرت جابرؓ کے گھر تشریف لائے، روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت رکھ کر صحابہ کو دیتے جاتے، دینے کے بعد تنور اور چولہے کو کپڑے سے ڈھک دیتے، یہاں تک کہ معجزانہ طور پر تمام رفقائے خندق شکم سیر ہوگئے اور گوشت اور روٹی بچ رہا تو آپ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ اور لوگوں کو ہدیہ بھی کرو کہ قحط سالی کا زمانہ ہے۔

مسلمان خندق کھود کر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ کفارِ قریش دس ہزار لشکر جرار لے کر

دامنِ اُحد میں خیمہ زن ہوئے، آپ ﷺ بھی مقابلہ آرائی کے لئے اپنے تین ہزار جاں نثاروں کے ساتھ نکل پڑے اور کوہِ سلع کے جوار میں پڑاؤ کیا، چوں کہ فریقین کے مابین خندق حائل تھی؛ اس لئے رُو در رُو لڑائی کی نوبت نہیں آئی؛ البتہ بعض جگہوں پر خندق کی کم عرضی کو دیکھتے ہوئے بعض شہسوارانِ کفار نے مدینے میں داخل ہونے کی کوشش کی؛ لیکن حیدرِ کرار کی ''ذوالفقار'' اور صحابہ کی شمشیرِ شعلہ بار نے رجوعِ قہقریٰ (پیچھے پلٹنے) کی مہلت نہ دی، تاہم اسی طرح حملہ آور غنیم کا مدینہ کے گرد بیس پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا، پھر اللہ تعالیٰ کے نادیدہ لشکروں نے ایسی تباہی مچائی، جس کے سامنے قریش کا آہن پوش لشکر بھی ٹک نہ سکا اور اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح وکامرانی سے سرفراز فرمایا، اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: الآن نغزوهم، ولا يغزوننا، نحن نسير إليهم. ''اب ہم ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوسکیں گے، ہم ہی ان کے پاس جائیں گے'' ----- ہوا بھی یہی، یہ غزوہ مسلمانوں کے لئے دفاعی لڑائی کی آخری جنگ ثابت ہوئی، اس کے بعد مسلمانوں نے اقدامی جنگ شروع کی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

آں حضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں اور اس کے اطراف میں بسنے والے غیر مسلمین سے آپس میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا تھا، اسی معاہدہ کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں بنونظیر کو جلاوطن کیا گیا، بنونظیر کی جلاوطنی کے بعد مدینہ سے قریب آباد دوسرا یہودی قبیلہ بنوقریظہ سے آپ ﷺ نے معاہدہ کا تجدید کیا؛ لیکن غزوۂ احزاب کے موقع سے بنونظیر کے جلاوطن سردار حی بن اخطب نے بہلا پھسلا کر معاہدہ کی خلاف ورزی پر آمادہ کرلیا، جس کے نتیجہ میں وہ بھی اس غزوہ میں شریک ہوئے، آں حضرت ﷺ نے احزاب سے فراغت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ ابھی ہتھیار نہ اتاریں اور قریظہ کی طرف روانہ ہوں، وہ لوگ

بھی جنگ کے لئے تیار بیٹھے تھے؛ اس لئے اپنی عہد شکنی کی معافی تلافی نہیں کی، مسلمانوں کی فوج نے تقریباً ایک ماہ تک ان کا محاصرہ کیا، بالآخر انھوں نے یہ درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کردیں، ہمیں منظور ہے، حضرت سعدؓ نے تورات کے مطابق یہ فیصلہ فرمایا کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال واسباب کو مال غنیمت قرار دیا جائے، اس فیصلہ کی تعمیل کی گئی اور اس طرح معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے بنوقریظہ کا خاتمہ ہوا۔

حضرت زینبؓ سے نکاح

آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید کو متبنّٰی (لے پالک) بنالیا تھا، جس کا تصور زمانۂ جاہلیت میں حقیقی بیٹے کا تھا، آں حضرت ﷺ نے ان کے ساتھ اپنی پھوپھی زاد بہن زینبؓ کا نکاح کرایا تھا؛ لیکن ان دونوں میں نبھ نہیں سکی اور طلاق واقع ہوگئی، اب آپ ﷺ نے متبنّٰی کے سلسلہ میں حقیقی بیٹے کے تصور کو ختم کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کے پیش نظر حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا، یہ واقعہ بھی سن پانچ ہجری میں پیش آیا۔

صلح حدیبیہ

سن چھ ہجری کی پہلی تاریخ کو حضور اکرم ﷺ نے اپنے چودہ سو قدسی صفات اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ کے لئے رختِ سفر باندھا۔ مقامِ ذوالحلیفہ میں ساتھ میں لائے ہوئے ہدی کے جانوروں کو قلادہ پہنا کر اُن کا اِشعار (کوہان کو زخمی کر کے خون نکالنا؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ حرم لے جائے جارہے ہیں) کیا اور لبادۂ احرام پہنا۔ بسر بن سفیان کو قریش کے حالات سے آگاہی کے لئے پہلے روانہ فرمایا۔ کاروانِ نبوت جب مقامِ عسفان میں پہنچا تو اُنھوں نے یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ قریش نے آپ کی آمد سن کر ایک لشکرِ جرار تیار کر رکھا ہے اور دخولِ مکہ سے آپ کو باز رکھنے کے لئے آپس میں عہد و پیمان باندھ لیا ہے۔ یہ خبر بھی گوش گزار کی کہ

خالد بن الولید (جو ابھی تک اسلام کی سعادت سے محروم تھے) ہراول دستے کے طور پر دو سو شہ سواروں کے ہمراہ ''غمیم'' تک پہنچ چکے ہیں۔ اِس خبر کے سنتے ہی آپ ﷺ نے اپنا راستہ بدل لیا کہ مقصود لڑائی نہیں؛ بل کہ سعادتِ عمرہ سے سرفراز ہونا تھا۔

حدیبیہ کی سرزمین کے لئے یہ بخت بیداری کی گھڑی تھی اور قیامت تک تاریخ کے اوراق میں نسبتِ رسول کے ساتھ اُسے محفوظ رہنا تھا؛ اس لئے آپ ﷺ کی سواری کے بڑھتے قدم وادی ہی میں رُک گئے۔ لوگوں نے (اونٹنی بیٹھ گئی، اونٹنی بیٹھ گئی) کی آواز لگانی شروع کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹنی نہیں بیٹھی اور نا ہی اِس کی یہ عادت ہے؛ بل کہ اِسے اُس ذات نے روک لیا ہے، جس نے ہاتھی کو روکا تھا''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر وہ لوگ میرے سامنے کوئی ایسی تجویز رکھیں گے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم ہوتی ہو تو میں اُسے قبول کروں گا''، پھر اُونٹنی کو کوچا دیا تو وہ چل پڑی۔ اب آپ ﷺ مقامِ حدیبیہ کے ایک سِرے پر خیمہ زن ہوئے، جہاں کم مقدار پانی والے کنوئیں میں آپ ﷺ کے ایک تیر ڈالنے کی وجہ سے پانی کے جوش مارنے کا معجزہ ظاہر ہوا۔

یہاں سے آپ ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو نامہ بر بنا کر قریش کے پاس اِس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ''ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، جنگ کے لئے نہیں''؛ لیکن قریش نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور اُن کے قتل کے بھی درپے ہوگئے۔ حضرت خراش اپنی جان بچا کر واپس آئے اور سارا ماجرا آپ ﷺ کے روبرو سنایا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بر بنا کر بھیجنا چاہا؛ لیکن اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت چاہی کہ ''قریش مجھ سے بہت زیادہ برہم اور میرے سخت دشمن ہیں۔ مزید یہ کہ میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں، جو مجھے بچا سکے؛ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجنا زیادہ مناسب ہے کہ وہاں اُن کے اعزہ موجود ہیں (جو نا گفتہ بہ

حالت میں اُن کی حفاظت کریں گے)، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے معقول سمجھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور روٴسائے مکہ کے پاس اپنا قاصد بنا کر بھیجا، جب کہ وہاں پر موجود مسلمانوں کو یہ بشارت بھی بھجوائی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا اور اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ آئے اور قریشِ مکہ کو آپ ﷺ کا پیغام اور وہاں موجود مسلمانوں کو خوش خبری سنائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبانی آپ ﷺ کا پیغام سن کر اہالیانِ مکہ نے جواب دیا کہ ”اس سال تو محمد مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، ہاں اگر تم تنہا طوافِ زیارت کی سعادت حاصل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو“۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ”میں تنہا کبھی اِس سعادت کو حاصل نہ کروں گا“۔ قریش یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے؛ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہیں روک لیا۔ اِدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دئے گئے۔ جب قتل کی یہ خبر آپ ﷺ کے کانوں تک پہنچی تو آپ کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک میں عثمان کا بدلہ نہ لے لوں، یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر وہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی، جو تاریخ وسیر کی کتابوں میں ”**بیعۃ الرضوان**“ کے نام سے مشہور ہے؛ لیکن بعد میں اِس خبر کے غلط ہونے کی بات معلوم ہوئی۔ قریش کو اِس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوئے اور نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔

مقامِ حدیبیہ میں قیام پذیری کے دوران مسلمانوں کے پرانے حلیف بنوخزاعہ (جو پہلے بھی آپ ﷺ تک قریش کی خبریں پہنچایا کرتے تھے) کے سردار بُدیل بن ورقاء آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: قریش کی ایک بھاری جمعیت مستعد کھڑی ہے، وہ آپ ﷺ

کو کعبہ میں جانے نہ دیں گے۔ آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: اُنھیں جا کر کہہ دو کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زارزار کردی ہے؛ اس لئے بہتر ہے کہ ہم سے ایک مدت تک کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ کرلیں اور مجھے عربوں کے ہاتھوں چھوڑ دیں۔ اگر وہ اِس پر راضی نہیں تو خدا کی قسم! میں اُس وقت تک لڑتا رہوں گا، جب تک میرا سرتن سے جدا نہ کردیا جائے۔ (السنن الکبریٰ للبیهقی، باب المهادنة..........، حدیث نمبر: ۱۹۲۸۰)

بدیل نے قریش کے پاس آکر کہا کہ میں محمد کے پاس سے کچھ پیغام لے کر آیا ہوں، اشرار نے سننے سے انکار کیا؛ لیکن سنجیدہ قسم کے افراد نے پیغام سنانے کی اجازت دی۔ اُنھوں نے آپ ﷺ کا پیغام سنایا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اہلِ مجلس سے کہا: کیوں قریش! کیا میں تمہارے لئے باپ کے مقام اور تم میرے لئے بیٹوں کے درجہ میں نہیں؟ سبھوں نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ پھر اُس نے کہا: میری نسبت تمھیں کوئی بدگمانی تو نہیں؟ جواب ملا: نہیں! اس نے کہا: پھر تو مجھے خود محمد کے پاس جا کر معاملہ طے کرنے کی اجازت دو، اس نے معقول تجویز رکھی ہے۔

عروہ بن مسعود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن سے بھی وہی باتیں کہیں، جو بدیل سے کہہ چکے تھے۔ اُس وقت عروہ نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ”اے محمد! اگر تم نے اپنی قوم کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی ہی قوم کا خاتمہ کر دیا ہو؟ لیکن اگر لڑائی کا رخ بدلا (اور اہلِ مکہ تم پر غالب آ گئے) تو میں تمہارے ساتھ ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے“۔ عروہ کی اِس بدگمانی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سخت درشت لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا: کیا ہم محمد ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سخت کلامی کو سن کر عروہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا:

ابوبکر ہیں! عروہ نے کہا: اگر مجھ پر تمہارا (زمانۂ جاہلیت میں دیا ہوا وہ) احسان نہ ہوتا، جس کی میں نے ابھی مکافات نہیں کی ہے تو میں تمہیں اِس سخت کلامی کا جواب ضرور دیتا۔

اب عروہ حضور ﷺ سے محوِ گفتگو ہوئے اور عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے کلام آپ ﷺ کی داڑھی مبارک پر بھی ہاتھ پھیرتے جاتے۔ عروہ کی اِس حرکت کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جسارت تصور کیا اور اُن کے ہاتھ پر ٹھوکا دیا اور کہا: أخر يدك من لحية رسول الله ﷺ ''حضور ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنے ہاتھ دور رکھو''۔ عروہ نے زرہ پوش حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ اُٹھائی اور پوچھا: یہ کون؟ جواب ملا: مغیرہ بن شعبہ! یہ سن کر عروہ نے کہا: ارے او غدار! کیا میں نے تمہاری اُس غداری کا بدلہ نہیں دیا تھا (جو تم نے زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم کے ساتھ کیا تھا؟)۔ پھر دُزدِیدہ نگاہوں سے صدق وصفا کے پیکر عشاقِ رسول کو دیکھنے لگے اور جاں نثارانِ رسول کی اِک اِک ادا کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد قریش کے پاس لوٹے اور یہاں کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرنے لگے: ''اے اہلِ مجلس! بخدا میں نے بادشاہوں کے محلات اور قصور کے سیر کئے ہیں، میں نے کسریٰ اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے؛ لیکن میں نے کسی بھی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا، جس کے لوگ اُس کی اِس قدر تعظیم کرتے ہیں، جس قدر تعظیم محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! محمد کی ناک کی ریزش بھی زمین پر گرنے نہیں پاتی کہ اُس کے ساتھی اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں، وہ جب کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اُس کے ساتھی اُس کام کو انجام دینے کے لئے لپک پڑتے ہیں، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کو لینے کے لئے منافست پر اتر آتے ہیں، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تمام لوگ مہر بہ لب ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی شخص عظمت وجلال کی وجہ سے اُسے نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتا، یقیناً محمد کی طرف سے ایک مناسب تجویز آئی ہے، اُسے قبول کر لینا چاہئے''۔

عروہ کی باتیں سن کر بنو کنانہ کے ایک فرد نے آپ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، قریش نے اُسے بھی جانے کی اجازت دیدی۔ جب وہ کاروانِ نبوت کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''دیکھو! فلاں آرہا ہے، اِس کا تعلق ایسی قوم سے، جو ہدی کے جانوروں کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتی ہے، لہٰذا تم لوگ ہدی کے جانوروں کے ساتھ اِس کا استقبال کرو''۔ صحابہ نے جانوروں کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ جب اُس نے یہ کیفیت دیکھی تو بے ساختہ پکارا: ''سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو تو بیت اللہ سے نہیں روکا جانا چاہئے''، پھر وہ قریش کے پاس لوٹ کر آیا اور اُس نے اپنی یہی رائے پیش کی۔

اب مکرز بن حفص نے آنے کی اجازت لی۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مکرز بن حفص آرہا ہے، یہ بُرا آدمی ہے''۔ پھر اُس کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہوگئے۔ اِسی دوران قریش کی طرف سے وثیقۂ عہد تیار کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پاس سہیل بن عمرو آیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو املاء کے لئے بلایا اور کہا: لکھو ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾۔ سہیل نے کہا: ''ہم رحمان کو نہیں جانتے؛ اِس لئے وہ لکھو، جو ہم لکھتے چلے آرہے ہیں، یعنی: باسمک اللھم''۔ آپ ﷺ نے باسمک اللھم لکھوایا، پھر کہا: لکھو ھذا ما قاضی علیه محمد رسول اللہ'' یہ وہ ہے، جس پر اللہ کے رسول محمد نے مصالحت کی ہے''۔ سہیل نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم ہی کر لیتے تو بیت اللہ سے ہرگز نہ روکتے اور نا ہی آپ سے جنگ کرتے؛ اِس لئے محمد بن عبداللہ لکھئے''۔ آپ ﷺ نے اُس کی یہ بات سن کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اگر چہ کہ تم لوگ مجھے جھٹلاؤ''۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محمد بن عبداللہ ہی لکھنے کے لئے کہا۔

اب تحریری شکل کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ ﷺ نے املا کرایا: ''یہ مصالحت اِس بات

پر ہے کہ تم لوگ بیت اللہ کے طواف سے ہمیں نہیں روکو گے''۔ سہیل نے کہا: اس کی وجہ سے کہیں عرب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے؛ اِس لئے یہ آئندہ سال پر اٹھا رکھیں''۔ آپ ﷺ نے اُس کی یہ بات بھی مان لی۔ اب سہیل نے اپنی طرف سے ایک شق لکھائی کہ'' ہمارا کوئی بھی مرد مسلمان ہوکر آپ کے پاس آجائے تو آپ اُسے ہمارے پاس لوٹا دیں گے؛ لیکن اگر آپ کا کوئی ساتھی آپ کا دین چھوڑ کر آئے تو ہم اُسے نہیں لوٹائیں گے''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: سبحان اللہ! دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کسی کو کیسے لوٹایا جائے گا؟

معاہدہ کی اِس شق پر بحث وتمحیص چل ہی رہی تھی کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ بن سہیل بن عمرو قفس ِتعذیب سے فرار ہوکر بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے یہاں پہنچے۔ سہیل نے اُنھیں دیکھتے ہی کہا:'' معاہدہ کا نفاذ یہیں سے ہوگا''، آپ ﷺ نے فرمایا:''ابھی تو معاہدہ کی تکمیل بھی نہیں ہوئی''۔ سہیل نے جواب دیا: ''پھر تو کسی چیز پر مصالحت نہیں ہوسکتی''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا میری خاطر اِسے چھوڑ دو''۔ اس نے کہا:''میں اِس پر بھی تیار نہیں''۔ (بخاری، باب الشروط فی الجھاد والمصالحۃ مع اھل الحرب و کتابۃ الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۲) آپ ﷺ نے اُس وقت حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:''اے ابوجندل! صبر کرو اور امید رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے ساتھ دوسرے کمزوروں کے لئے ضرور کوئی سبیل نکالے گا۔ ہم نے قریش سے عقدِ صلح کرلیا ہے اور اس پر زبان دیدی ہے اور ان لوگوں نے بھی ہم سے عہد کیا ہے اور ہم ان غداری کے مرتکب نہیں ہوسکتے'' (السنن الصغریٰ للبیھقی، باب المھادنۃ علی النظر للمسلمین، حدیث نمبر:۳۷۷۲(۸ /۱۶۳)، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۹۱۰(۲۱۹/۳۱)۔ اور اُنھیں واپس مکہ بھیج دیا۔

اِس معاہدہ کی وہ تمام شقیں، جن پر قریش راضی تھے، اِس طرح ہیں:

۱) دس سال تک حرب وضرب موقوف رہے گی۔

۲) قریش کا جو مرد مسلمان ہو کر اپنے اولیاء اور موالی کی اجازت کے بغیر مدینہ آ جائے، اُسے واپس کر دیا جائے گا۔

۳) مسلمانوں میں سے جو مرد (راہِ ارتداد اختیار کرکے) مکہ آ جائے، اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۴) مدتِ معاہدہ میں کوئی دوسرے پر تلوار نہیں اُٹھائے گا اور نا ہی کسی سے خیانت کرے گا۔

۵) محمد اِس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال مکہ میں صرف تین دن رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں، سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور وہ بھی نیام میں رہیں۔

۶) قبائلِ متحدہ جس کے حلیف بننا چاہیں، بن سکتے ہیں۔(زادالمعاد، فصل فی قصة صلح الحدیبیة: ۲۹۹/۳، القول المبین فی سیرة سیدالمرسلین لمحمدالطیب النجار، صلح الحدیبیة: ۳۱٦/۱)

اِس معاہدہ میں آپ ﷺ نے قریش کی وہ تمام شرطیں منظور کر لیں، جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک قسم کی اندرونی گھٹن میں مبتلا ہو گئے؛ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اِس طرح سوال کرنا شروع کر دیا: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ہر سوال کے جواب میں ''کیوں نہیں'' (یعنی ہاں! ہم حق پر ہیں اور میں اللہ کا برحق نبی ہوں) فرمایا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''پھر ہم دین میں کمی کیوں برداشت کریں؟''۔ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا حامی و ناصر ہے''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: کیا آپ ﷺ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ جا کر اُس کا طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: تو کیا میں نے تمہیں یہ بات بھی بتائی تھی کہ اِسی سال کریں گے؟ تم ضرور جاؤ گے اور بیت اللہ

کا طواف کرو گے۔

جب معاہدہ کی تکمیل ہوگئی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: قوموا، وانحروا، ثم احلقوا "اُٹھو، اپنے جانوروں کا نحر کرو اور پھر اپنے سروں کا حلق کراؤ"۔ گھٹن کی کیفیت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی جنبش نہ کی؛ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کسی نے حرکت نہیں کی تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنھا) کے پاس آئے اور لوگوں کے اِس ردعمل کا تذکرہ کیا، حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنھا) نے فرمایا: "اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ (اگر آپ یہ چاہتے ہیں) تو نکلئے اور کسی سے ایک لفظ مت کہئے، بس سیدھے جا کر اپنے ہدی کے جانور ذبح کر دیجئے اور نائی کو بلوا کر حلق کروائیے"۔ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنھا) کے مشورے پر عمل کیا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تو اُن لوگوں نے بھی اپنے جانور ذبح کر دئے اور (مارے گھٹن کے) ایک دوسرے کا اِس طرح حلق کرنے لگے، جیسے گردن ہی کاٹ ڈالیں گے۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۲)

حدیبیہ میں تقریباً دو ہفتے قیام کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کے ساتھ واپسی کے لئے کجاوہ کسا، جب مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو سورۂ فتح نازل ہوئی، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر ﴿إنا فتحنا لك فتحاً مبيناً﴾ سنائی، صحابہ انگشت بدانداں رہ گئے اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: قسم ہے اُس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے! بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔ (مسند احمد، حدیث مجمع بن جاریۃ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۱۵۴۷۰ (۲۱۲/۲۴)

ابو بصیر کی جماعت

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو ابو بصیر کفار قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔

قریش نے فوراً اِن کی واپسی کے لئے دو لوگوں کو مدینہ روانہ کیا۔آپ ﷺ نے ایفائے عہد کرتے ہوئے ابوبصیر کو اُن کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ کر دیا۔ ابوبصیر اُن کے ساتھ روانہ تو ہو گئے؛ لیکن راستہ میں اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا، جب دوسرے نے یہ حال دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا مدینہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میرا ساتھی تو مارا گیا اور اب میں بھی مارا جانے والا ہوں۔اُسی کے پیچھے ابوبصیر بھی مدینہ پہنچے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے عہد کو پورا کر دیا۔آپ نے تو مجھے اُن کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سے نجات کی میرے لئے ایک سبیل مہیا فرما دی ہے۔میں نے یہ جو کچھ کیا، محض اس لئے کیا کہ میرے اور اِن کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ویل أمه! مسعر حرب. لو کان له أحد! ''ناس ہو! جنگ بھڑکانے والا ہے۔کاش! کوئی اِس کے ساتھ ہوتا''۔حضرت ابوبصیر سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کو میرا یہاں ٹھہرنا پسند نہیں؛ چنانچہ اُنھوں نے ساحلِ سمندر کو ٹھکانہ بنایا(بخاری، باب الشروط فی الجہاد...... حدیث نمبر: ۲۷۳۲)۔اب جو بھی مکہ سے فرار ہو کر آتا، سیدھے ساحل پر پہنچتا، اِس طرح ستر(۷۰) یا تین سو(۳۰۰) لوگوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھی ہو گئی۔یہ ساحل مکہ سے شام جانے والے تاجرینِ قریش کی راہ میں پڑتا تھا؛ چنانچہ اِن لوگوں نے اُن کے مال واسباب کو اپنی غذائی قلت دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔جب قریش اِن سے تنگ آ گئے تو آپ کو اِن لوگوں کو اپنے پاس بلا لینے کی اجازت دیدی اور اِس طرح معاہدہ کی ایک شق کو اُن لوگوں نے خود ہی کالعدم قرار دے دیا، جب کہ پورا معاہدہ اُس وقت اختتام پذیر ہوا، جب قریش کے حلیف بنوبکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنوخزاعہ پر چشمہ ''وتیر'' میں شب خوں مارا اور اُن کے بہت سارے افراد کو موت کی نیند سُلا دیا۔ چنانچہ عمرو بن سالم خزاعی نے بنوخزاعہ کا ایک وفد لے کر دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر دُہائی دی، جس کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: نُصِرْتَ

یاعمرو بن سالم. (سنن الکبری للبیهقی، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۱) ''اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی''۔ پھر آپ نے بنو خزاعہ کی مدد کی، جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔

بادشاہوں کے نام خطوط

حدیبیہ کی صلح کے بعد آں حضرت ﷺ کو یہ موقع میسر ہوا کہ دنیا کے سامنے اطمینان کے ساتھ خدا کا پیغام پہنچا سکیں؛ چنانچہ اس کے لئے چند ہوشیار مسلمانوں کا انتخاب کیا اور ان کو خطوط دے کر قرب و جوار کے رئیسوں اور بادشاہوں (حبشہ، ایران، روم اور مصر) کے پاس بھیجا، حبش کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا (الطبقات الکبری لابن سعد: ۲۵۸/۱)، ایران کے بادشاہ نے غصہ سے اس خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اسی طرح اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، اور ہوا بھی ایسا ہی، چند ہی سالوں میں اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

مصر کے بادشاہ نے اسلام تو قبول نہیں کیا؛ لیکن خط کا جواب تہذیب کے ساتھ دیا، روم کے بادشاہ قیصر نے عرب تاجروں کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا، اتفاق یہ کہ ابوسفیان (جو اس وقت اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے) اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حاضر کئے گئے، قیصر نے کچھ اہم سوالات کئے، ابوسفیان کے جواب سے وہ مطمئن ہوا اور یہ کہہ اٹھا کہ ''اگر تم نے سچ سچ کہا ہے تو ایک دن آئے گا کہ وہ میرے پاؤں کے نیچے کی اس مٹی پر بھی قبضہ کر لے گا، اگر میں ان تک پہنچ پاتا تو ان کے پاؤں دھوتا''۔

عرب کے کئی رئیسوں نے اسلام قبول کیا، بحرین میں عبدالقیس کا قبیلہ، یمن میں آباد دوس کا قبیلہ، اشعر کا قبیلہ، غفار کا قبیلہ اور جہینہ، اسلم و مزینہ اور اشجع کے قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ان میں سے بعض قبیلے وہ بھی تھے، جن تک اسلام کی آواز پہلے ہی پہنچ چکی تھی، اس طرح صلح حدیبیہ کی وجہ سے دعوت دین کے لئے ایک اہم موقع میسر ہوا۔

خیبر کی فتح

یہ بات گزر چکی ہے کہ جن یہودیوں کو جلاوطن کیا گیا تھا، ان میں سے بہت سارے خیبر میں آکر مقیم ہوگئے تھے، یہاں بڑے بڑے قلعے تھے، جن پر اعتماد کرکے ان یہودیوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے، جب آں حضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کے ساتھ صلح کے لئے آدمی بھیجے؛ لیکن ان کی شرارت کی وجہ سے بات نہیں بن سکی، بالآخر خیبر پر حملہ کا اعلان ہوا، سولہ سو لوگوں کی فوج مدینہ سے روانہ ہوئی، اس موقع پر پہلی مرتبہ تین پرچم تیار کئے گئے، یہ قافلہ رات کے وقت خیبر پہنچا، حملہ کے لئے صبح تک انتظار کیا گیا، صبح کو جب یہودیوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھولے تو سامنے مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر چیخ اٹھے: محمد (ﷺ) کی فوج، حضور ﷺ نے اب بھی لڑنے کا حکم نہیں دیا؛ لیکن یہودیوں نے صلح کے بجائے لڑنے کو ترجیح دی، مسلمانوں نے سب سے پہلے ناعم نامی قلعہ پر حملہ کیا، کچھ جھڑپ کے بعد اسے فتح کرلیا گیا، پھر قموص کی طرف بڑھے، یہاں مرحب نامی ایک مشہور بہادر تھا، کئی روز تک یہاں مقابلہ رہا، آخر کار حضرت علیؓ کے ہاتھوں یہ قلعہ فتح ہوا، اب یہودیوں نے آں حضرت ﷺ کے ساتھ صلح کی، جس کی شرط یہ قرار پائی کہ یہاں کی زمینیں تو یہودیوں کے ہی قبضے رہیں گی اور پیداوار کا آدھا حصہ وہ مسلمانوں کو دیا کریں گے، خیبر کی آدھی زمینیں لڑنے والے مسلمانوں کو دی گئیں اور آدھی اسلامی خزانہ کی ملکیت قرار پائیں۔

اسی موقع پر ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ اور کچھ صحابہ کرام کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، آں حضرت ﷺ نے لقمہ منھ میں رکھا اور نکال لیا اور فرمایا: اس میں زہر ملایا گیا ہے، تب تک ایک صحابی نے کئی لقمے کھالئے تھے، جس کے نتیجہ میں ان موت واقع ہوگئی، اس موت کا قصاص اس عورت سے لیا گیا اور اسے بھی قتل کر دیا گیا، یہاں سے فارغ ہوکر آپ ﷺ نے تیماء

اورفدک کارخ فرمایا، یہاں بھی یہودیوں کے چند گاؤں آباد تھے،انھوں نے بھی خیبر کی شرط پر صلح کرلی اوراس طرح یہودیوں سے لڑائی کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

عمرہ کی قضاء

صلح حدیبیہ کی ایک شق یہ تھی کہ اس سال واپس جائیں اورآئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں، اس شرط کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کاارادہ فرمایا، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد(تقریباً دوہزار) بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئی، معاہدہ کی پاس داری کرتے ہوئے مکہ سے آدھے میل پہلے ہی ہتھیارا تاردئے گئے ،جن کی حفاظت کے لئے دوسوسواروں کاایک دستہ متعین ہوا، باقی مسلمان پورے جوش وخروش کے ساتھ مکہ داخل ہوئے اورمعاہدہ کے مطابق تین دن بعدوہاں سے نکلے، یہ واقعہ ذی قعدہ ۷ھ کا ہے۔

غزوۂ موتہ

صلح حدیبیہ کے بعدرسول اللہ ﷺ نے جن رئیسوں کے پاس دعوت دین کے خطوط روانہ فرمائے تھے، ان میں سے ایک شرحبیل بن عمروغسانی بھی تھا، جوروم کے بادشاہ کی طرف سے شام کاامیر(گورنر) تھا،اس نے خط کا جواب اوراس کااحترام کرنے کے بجائے اس قاصد (حارث بن عمیرؓ) کوہی قتل کردیا، جوخط لے کرگیا تھا، قاصد کاقتل اس وقت کے دستورکے بھی خلاف تھا؛اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزارفوج روانہ فرمائی ،شرحبیل کو جب اس کی خبرہوئی تواس نے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کی جمعیت تیارکی ،خودروم کابادشاہ بھی ایک لاکھ فوج لے کرمقام بلقاء میں خیمہ زن ہوا،مسلمانوں کالشکرجب وہاں پہنچا توان کی تعداد دیکھ کرفطرتاً تذبذب میں مبتلا ہوا؛لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی تقریر نے ان کے اندرجوش و خروش اورشہادت کاشوق بھردیااور وہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے،

جھنڈا حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ہاتھ میں تھا، وہ شہید ہوئے تو حضرت جعفر طیارؓ آگے بڑھے، ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا دوسرے ہاتھ میں تھام لیا، وہ بھی کٹ گیا تو سینہ سے چمٹا لیا، آخر کار نوے زخم کھا کر شہید ہوئے، اب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لیا، وہ بھی شہید ہوگئے تو مسلمان فوج کی قیادت حضرت خالد بن ولیدؓ نے سنبھالی اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے دشمن کی زد سے مسلمان فوج کو نکال لائے، یہ لڑائی چوں کہ ''موتہ'' کے مقام پر ہوئی تھی؛ اس لئے اسے ''غزوۂ موتہ'' کہا جاتا ہے، یہ غزوہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں پیش آیا۔

فتح مکہ

سن آٹھ ہجری کا واقعہ ہے، بنوبکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنوخزاعہ پر چشمہ ''وتیر'' میں شب خوں مارا، جس میں بنوخزاعہ کے بہت سارے افراد خوابِ غفلت ہی میں مار دئے گئے، جو بیدار ہوسکے، اُنھوں نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی؛ لیکن آج اُنھیں یہاں بھی پناہ نہ مل سکی۔ معاہدۂ حدیبیہ (جس میں قبائلِ عرب کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جو قبیلہ آپ ﷺ کا حلیف بننا چاہے، وہ آپ ﷺ کا اور جو قریش کا حلیف بننا چاہے، وہ قریش کا حلیف بن سکتا ہے) کے بعد یہ قبیلہ آپ ﷺ کا حلیف بن چکا تھا؛ چنانچہ قبیلہ کے پِٹ جانے کے بعد عمرو بن سالم خزاعی بنوخزاعہ کا ایک وفد لے کر دربارِ نبوت میں حاضر باش دُہائی دیتے ہوئے عرض کُناں ہوئے:

یارِبّ إنی ناشد محمدا   حلف أبینا وأبیہ الأتلدا

(اے پروردگار! میں محمد کو اپنے باپ اوران کے باپ (عبدالمطلب) کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں)

إن قریشاً أخلفوک الموعدا   ونقضوا میثاقک المؤکدا

(بلاشبہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے اور پختہ عہد و پیمان کو توڑ ڈالا ہے)

ھم بیتونا بالوتیر ھجدا   وقتلونا رکعا وسجدا

(اُنھوں نے چشمۂ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خوں مارا ہے اور رکوع وسجود کی حالت میں ہمیں قتل کیا ہے)

فانصر رسول الله نصرا اعتدا　　　وادعوا عباد الله یأتو مددا

(اے اللہ کے رسول! ہماری مستحکم مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں (قبائل) کو بلائیے، وہ کمک لے کر آئیں گے)

اس لرزہ خیز دُہائی کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی''

(سنن الکبری للبیھقی، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۱)۔ پھر آپ ﷺ نے عمرو بن سالم سے دریافت فرمایا کہ کیا کل بنوبکر اس شبینہ یورش میں شریک تھے؟ عمرو بن سالم نے جواب دیا: نہیں! بل کہ بنونفاثہ اور اس کا سردار نوفل اس میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے مدد کا وعدہ کر کے اُنھیں رخصت کر دیا۔

اس وفد کی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے قریشِ مکہ کے پاس ایک قاصد اس پیغام کے ساتھ روانہ فرمایا کہ وہ تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں:

(۱) بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں۔

(۲) یا بنونفاثہ کے معاہدہ سے علاحدگی اختیار کر لیں۔

(۳) یا پھر معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصدِ نبوت کے پیغام کو سن کر قرطہ بن عمرو نے زعمِ خودی میں آ کر جواب دیا کہ ہم معاہدۂ حدیبیہ کو فسخ کرنے پر راضی ہیں۔ یہ جوابی پیغام سن کر قاصد وہاں سے چل پڑا، اس کی روانگی کے بعد قریش کے ہوش ٹھکانے آئے اور اپنے پیر پر کلہاڑی مار لینے پر افسوس ہوا؛ چنانچہ ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تجدیدِ معاہدہ کے لئے بھاگم بھاگ مدینہ پہنچے؛ لیکن ''اب کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''، تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں ہوتا، لہٰذا معاہدہ کی تجدید نہ ہوسکی۔

اب آپ ﷺ نے پیکرِ وفا اصحاب کو احتیاط و رازداری کے ساتھ بغیر کسی وضاحت کے جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے بھی عدمِ اِفشا کی دعاء مانگی: اللھم خذ العیون،

والأخبار عن قریش؛ حتیٰ نبغتها في بلادها . (عیون الأثر لابن سید الناس: ۲/ ۱۸۴) ''اے اللہ! قریش سے ہماری خبروں کو چھپا؛ یہاں تک کہ اچانک ہم ان کے علاقہ میں پہنچ جائیں''۔

تیاری کی تکمیل کے بعد دس ہزار قدسی صفات جاں نثاروں کے ہمراہ مکہ کے ارادے سے نکلے، جب ''ذوالحلیفہ'' پہنچے تو آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بال بچوں کے ساتھ مدینہ جاتے ہوئے ملے، یہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے؛ لیکن مکہ ہی میں مقیم رہ کر آپ ﷺ تک وہاں کی خبریں بھیجا کرتے تھے۔ جب مقامِ ''ابوا'' میں پہنچے تو آپ ﷺ کے چچازاد اور رضاعی بھائی ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ بغرض اسلام مدینہ جاتے ہوئے ملے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے ابوسفیان آپ ﷺ سے نہایت محبت کرتے تھے؛ لیکن اعلانِ نبوت کے بعد یہ محبت کدورت میں بدل گئی؛ یہاں تک کہ آپ کے ہجو میں اشعار بھی کہے، جس کی وجہ سے آپ سخت نالاں تھے؛ چنانچہ جب اُنھوں نے حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی اور بیزارگی کا اظہار فرمایا؛ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق روئے انور کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت یوسف کے بھائیوں کا جملہ ''**تاللہ لقد آثرک اللہ علینا وإن کنا لخاطئین**''. (یوسف: ۹۱) ''قسم ہے اللہ کی، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بلاشبہ ہم قصوروار ہیں'' دہرایا تو رحمتِ عالم اور حیاء مجسم ﷺ کی زبان سے بھی وہی جملہ ادا ہوا، جو حضرت یوسف کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: **لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم وھو أرحم الراحمین** (یوسف: ۹۲) ''آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں، اللہ تمہارا قصور معاف کرے، وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے''۔

مکہ کے قریب پہنچ کر ''مرالظہران'' میں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا اور عسکرِ اسلام کو ہر خیمہ کے سامنے علاحدہ آگ روشن کرنے کا حکم فرمایا۔ اہل مکہ کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے یہ دغدغہ

لگا ہوا تھا کہ معلوم نہیں کب رسول اللہ ﷺ ہم پر یورش کر بیٹھیں؟ اس لئے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء ٹوہ لینے کے لئے نکلے، مرالظہران کے قریب پہنچ کر اس قدر آگ روشن دیکھی تو اُن پر فزع کی کیفیت طاری ہوگئی اور یہ دونوں اس کے متعلق اظہار خیال کرنے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی آواز پہچان کر فرمایا: افسوس ابوسفیان! یہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے، خدا کی قسم اگر تجھ پر فتحیاب ہوگئے تو تیرا سر حلقوم سے جدا کر دیں گے، قریش کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ امن کے خواستگار ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں۔ پھر اپنے خچر پر سوار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بدیل بن ورقاء اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے؛ البتہ ابوسفیان نے صبح کی اولین ساعتوں میں طوقِ طاعت اپنی گردن میں ڈالی۔

جب مرالظہران سے اسلامی فوج ظفر موج کوچ کرنے لگا تو آپ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لشکرِ اسلام کے طنطنہ اور شوکت وشان کو دکھانے کے لئے ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جائیں، لشکر اسلام قبیلہ در قبیلہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا موج کی طرح گزرنے لگا تو ابوسفیان انگشت بدنداں رہ گئے اور یکے بعد دیگرے علم خاص لے کر گزرنے والے قبیلے کی بابت دریافت کرنے لگے؛ حتیٰ کہ کوکبۂ نبوی ظاہری وباطنی جلال وشکوہ کے ساتھ انصار ومہاجرین کے ہتھیار بند اور زرہ پوش جلو میں نکلے۔ مہاجرین کا پرچم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس۔ حضرت سعد نے ابوسفیان کو دیکھا تو وفورِ جذبات میں سرشار اور جوشِ جنوں میں بےخود ہو کر یہ کہہ دیا: **اليوم يوم الملحمة، اليوم تستحل الكعبة** "آج لڑائی کا دن ہے، آج کعبہ میں جنگ وجدل جائز ہوگا"۔ ابوسفیان نے آپ ﷺ سے حضرت سعد کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: **كذب سعد، ولكن هذا اليوم يعظم الله فيه الكعبة، ويوم تكسى فيه الكعبة** . (بخاری، باب أين ركز النبی ﷺ الراية يوم الفتح، حدیث نمبر: ٤٠٣٠) "سعد نے غلط کہا، آج

خانۂ کعبہ کی عظمت کا دن ہے، آج اس کو غلاف پہنایا جائے گا''۔ پھر حضرت سعد سے علم لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا۔

ابوسفیان یہاں سے رخصت ہو کر بعجلت تمام مکہ پہنچے اور اعلان کیا کہ محمد ﷺ لاؤ لشکر کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، ان سے مزاحمت کی کسی میں طاقت نہیں، اسلام قبول کرلو، مامون رہو گے؛ البتہ جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے، وہ محفوظ ہے، جو ہتھیار ڈال دے، وہ بھی محفوظ ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے، وہ بھی محفوظ ہے اور جو میرے گھر میں داخل ہو جائے، وہ بھی محفوظ ہے۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ منتشر ہو گئے، کوئی مسجدِ حرم کی طرف دوڑا تو کسی نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا۔

آپ ﷺ کعبۃ اللہ کے آداب واحترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھتے ہوئے، فرحت وانبساط کے آثار کے ساتھ، تخشع، تضرع، تذلل اور تمسکن کے نقوش لئے ہوئے، سورۂ فتح اور سورۂ نصر کی تلاوت فرماتے ہوئے اس شان سے مکہ میں بالائی جانب سے داخل ہوئے کہ ٹھوڑی مبارک کجاوے سے مس کر رہی تھی، نگاہیں نیچی تھیں اور آپ ﷺ کے غلام زادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مکہ کے نشیب سے داخل ہونے کا حکم فرمایا، یہ وہ حصہ تھا، جہاں مکہ اور آس پاس کے کچھ اوباش مزاحمت کے لئے تیار تھے؛ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ان کی جھڑپ ہوئی اور وہ لوگ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر امن قائم ہو گیا۔

مکہ فتح ہو جانے کے بعد آپ ﷺ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ اس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ ایک ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے ہوئے **جاء الحق وزھق الباطل** پڑھتے جاتے اور بت منہ کے بل گرتے جاتے۔ آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ کا طواف فرمایا، پھر اس کی کنجی منگا کر کھلوایا اور اس کے اندر نماز پڑھی اور دیوار کعبہ پر بنی ہوئی

بتوں کی تصاویر کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر بابِ کعبہ پر کھڑے ہو کر ایک بلیغ خطبہ دیا، جس میں جاہلی رسوم کو کالعدم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان تمام قریشیوں کو لاتثریب علیکم الیوم، إذھبوا فأنتم الطلقاء کہتے ہوئے عفو و درگزر کا مژدہ سنایا، جو مجرمین کے مانند خم گردنوں کے ساتھ آپ کے سامنے کھڑے تھے؛ البتہ کچھ افراد ایسے تھے، جن کا جرم اس قدر شنیع تھا کہ وہ معافی کے کسی طرح بھی لائق نہ تھے؛ اس لئے ان کے بارے میں یہ حکم صادر فرمایا کہ اگر وہ کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے بھی مل جائیں تو اُنھیں قتل کر دیا جائے؛ لیکن قربان جایئے آپ ﷺ کے رحم و شفقت پر! کہ ان میں سے بھی اکثروں کو معاف فرما دیا۔

ہوازن وثقیف کے ساتھ معرکہ

سن آٹھ ہجری کا واقعہ ہے، کفر و شرک کا سب سے بڑا گڑھ ''مکہ'' فتح ہو چکا ہے اور اِس کے فتح کے ساتھ طنطنۂ کفر بھی سرد پڑ چکا ہے، اطراف واکناف کے قبائل سہمے ہوئے ہیں اور شوکتِ اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر فاتحِ مکہ کے دربار میں خود سپردگی کر رہے ہیں، تاہم بعض قبیلے ایسے بھی ہیں، جو نخوت کے ٹٹو پر سوار ہیں اور طوقِ طاعت اپنی گردنوں میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں، اُن قبیلوں میں مضر، جشم، سعد، غطفان، ہوازن اور ثقیف ہیں، جن کی پندارِ خودی غلغلۂ اسلام کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے؛ اِس لئے وہ اب تک سپر انداز نہیں ہوئے ہیں اور نا ہی اُن کا ارادہ سپر انداز ہونے کا ہے؛ بل کہ وہ اہلِ اسلام پر ایک ایسی یورش کی تیاری کر رہے ہیں، جو سپر انداز ہونے والے قبائل کے سامنے اہلِ ایمان کی ہمالیائی سطوت کوز میں بوس کر دے اور افلاک کی وسعتوں میں اُن کی طاقت کا ڈنکا بجتے ہوئے سن سکیں، اس کے لئے اُنھوں نے مالک بن عوف نصری کی امارت کو باتفاق رائے تسلیم کر لیا ہے۔

مالک بن عوف نصری کی امارت میں یہ تمام قبائل پیش قدمی کر چکے ہیں؛ تاکہ اہلِ اسلام

سے پہلے ایسی جگہوں پر قابض ہوسکیں، جو قتل وقتال کے لئے ہم وار ہواور جہاں سے اہل اسلام کو گھات لگا کر گھائل کرسکیں، چوں کہ وہ لوگ اس لڑائی کو زندگی کی آخری لڑائی تصور کر چکے تھے؛ اس لئے بچے، عورتیں اور مویشی بھی ساتھ ہانک لائے؛ تاکہ ہر سپاہی عزت وناموس کے تحفظ کی فکر میں سرشار ہوکر میدان کارزار میں کفن بردوش لڑے اور کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی ادبار و پسپائی کا ہیولیٰ نہ ابھرے۔

جب متحدہ جمعیت مقام اوطاس تک پہنچی تو سپہ سالار نے خیمہ زن ہونے کا حکم صادر کیا، جمعیت کے پڑاؤ کے بعد میدانِ حرب وضرب کے سرد وگرم کا چشیدہ دُرید بن صمہ نے پوچھا: یہ کونسی جگہ ہے؟ جواب دیا گیا: اوطاس، اس نے کہا: **نعم محل الخیل، لاحزن ضرس، ولاسهل دهس** (یہ شہسواروں کے لئے بہترین جولان گاہ ہے، نہ پتھریلی کھائی دار ہے، نہ بھربھری نشیب)، پھر کہا: **مالی أسمع رغاء البعیر، ونهاق الحمیر، وبكاء الصغیر، ویعار الشاء** (کیا بات ہے؟ میں اونٹوں کی بلبلاہٹ، بکریوں کی ممیاہٹ، گدھوں کا شور وغوغا اور بچوں و عورتوں کی آہ وبکا سن رہا ہوں)، جواب ملا: سپہ سالار مالک بن عوف نصری نے ان سب کو ساتھ ہانک لایا ہے، دُرید نے اسے بلا کر پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: **اردت أن أجعل خلف كل رجل أهله وماله لیقاتل عنهم** (میں نے سوچا کہ ہر شخص کے پیچھے اس کے گھر والوں کو کھڑا کردوں؛ تاکہ وہ ان کی عزت وناموس کے لئے لڑے)، دُرید نے جواباً کہا: ”تم نرے چرواہے ہو، کیا شکست وہزیمت کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اگر جنگ تمہارے حق میں ہو تو تمہارے لئے شمشیر زن اور نیزہ باز ہی مفید ہیں؛ لیکن اگر معاملہ برعکس ہو جائے تو تم اپنے اہل وعیال میں رسوا وخوار ہوگے“، پھر اُس نے قبیلۂ کعب وکلاب کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں، اس پر درید نے کہا: ”اہل دانش وبینش موجود نہیں، اگر یہ شان

وشوکت اور بلندی ورفعت کا دن ہوتا تو کعب وکلاب غیر حاضر نہ رہتے، میں چاہتا ہوں کہ تم بھی وہی کرو، جو کعب وکلاب نے کیا ہے، تم میں سے کون اس کے لئے تیار ہے؟''، پھر مالک بن عوف کو عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ مقام پر لے جانے کا مشورہ دیا، جس کے جواب میں مالک نے کہا: تم بوڑھے پھوس ہو چکے ہو اور تمہاری عقل سٹھیا چکی ہے، اگر ہوازن کے لوگوں نے میری بات نہ مانی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کرلوں گا، دُرید نے مالک کی ہٹ دھرمی کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

یالیتنی فیها جذع أخُب فیها وأضع

أقود وطفاء الزمع کأنها شاة صدع

(اے کاش! میں اس میں جوان ہوتا، میں اس میں دوڑتا اور (تلوار) رکھتا، اور بکریوں کی طرح چھریرے نا قابل التفات لوگوں کی رہنمائی کرتا)

اس کے بعد مالک نے اپنے جاسوس بھیجے؛ تا کہ وہ صحیح حالات سے آگاہی کریں؛ لیکن وہ مالک کے پاس اس حال میں لوٹے کہ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور رنگ فق ہو چکا تھا، وہ ''کاٹو تو خون نہیں'' کے مثل ہو کر لوٹے، جنھیں دیکھ کر مالک نے احوال دریافت کیا، اُن لوگوں نے جواب دیا: ہم نے چتکبرے گھوڑوں پر سفید پوش سوار دیکھے ہیں، جس کی وجہ سے ہم اس حال کو پہنچ گئے (الروض الأنف، ذکر غزوة حنین: ٤ / ٢٠٤، نیز دیکھئے: عیون الأثر: ٢ / ٢١٣، دلائل النبوة: ٥ / ١٨٥، السیرة الحلبیة، غزوة حنین: ٣ / ٦٢)۔

ہوازن وثقیف کی جنگی استعداد کی خبریں جب آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے تحقیقِ حال کے لئے حضرت عبداللہ ابن ابی حدرد اسلمیؓ کو بھیجا، انھوں نے ان کے درمیان رہ کر پوری تفصیلات معلوم کیں، پھر واپس آکر آپ ﷺ کو بتایا، اب آپ ﷺ نے گراں باری کے ساتھ تیاری کا حکم فرمایا، جس کے لئے حضرت عبداللہ بن ربیعہؓ سے تقریباً تیس ہزار روپے بطور قرض اور صفوان ابن امیہ سے اسلحہ جات مستعار لئے، پھر چھ شوال آٹھ ہجری کو بارہ ہزار نفری کے ساتھ روانہ ہوئے۔

راستہ میں ایک مقام ایسا آیا، جہاں وہ درخت تھا، جس پر مشرکین زمانۂ جاہلیت میں اسلحہ جات لٹکایا کرتے تھے، ہر سال اُن کا وہاں قیام بھی ہوتا تھا اور اُس درخت کے پاس جانور بھی ذبح کرتے تھے، جب دائرۂ اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کا اُس درخت کے سامنے سے گزر ہوا تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ان کے ذات انواط کی طرح ہمارے لئے بھی ذات انواط بنا دیجئے، اللہ کے رسول ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا: **قلتم والذی نفس محمدبیده کما قال قوم موسیٰ لموسیٰ: اجعل لنا إلٰها کما لهم آلهة، قال: إنکم قوم تجهلون، لترکبن سنن من کان قبلکم** (اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، تم لوگوں نے ویسی بات کہی، جو حضرت موسیٰؑ کی قوم نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی کہ ہمارے لئے بھی اُن (مشرکین) کی طرح ایک معبود بنا دیجئے، پھر فرمایا: تم لوگ نادان قوم ہو اور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے کو اپنا رہے ہو) (السيرة الحلبية، غزوة حنين: ٣ / ٦٤)۔

غزوۂ حنین پہلا موقع تھا، جس میں مسلم فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی؛ اس لئے بعض لوگوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ: آج ہم مغلوب نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کو یہ فخر وعجب پسند نہ آیا اور اِس عجب پسندی کا اُنھیں ایسا سبق دیا، جس نے ہمیشہ ہمیش کے لئے ان کے دلوں سے نخوت کو ختم کر دیا۔

اسلامی فوج ظفر موج کثرت کے نشہ میں بے پروائی کے ساتھ بڑھتی رہی؛ یہاں تک کہ مقام اوطاس کے دروں تک پہنچ گئی، جہاں ہوازن وثقیف تیر انداز پہلے ہی سے گھات لگائے بیٹھی تھی، اسلامی فوج کو دیکھتے ہی تیروں کی ایسی بارش برسائی، جس کے نتیجہ اسلامی فوج کی طرف سے پیش قدمی کرنے والے ان نوجوانوں کے قدم اکھڑ گئے، جو فتح مکہ کے بعد تازہ تازہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اِن کے بھاگنے کی وجہ سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور جس طرف جس کا رُخ

ہوا، چل نکلا، رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ برابر پیش قدمی کرتے رہے اور لوگوں کو یہ کہہ کر بلاتے رہے کہ:

أنا النبی لا کذب أنا ابن عبد المطلب

(میں برحق نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)

پھر دائیں اور بائیں طرف صدا لگائی: اے انصار کی جماعت! دونوں جانب سے جواب آیا: ہم حاضر ہیں، حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کے حکم سے بلند آواز سے انصار ومہاجرین کو پکارا اور کہا: **یا معشر الأنصار! یا أصحاب الشجرة!** (اے انصار کی جماعت! اے درخت والے!)، آواز کا سننا تھا کہ منتشر فوج مجتمع ہوگئی اور پلٹ کر ایسا وار کیا کہ جنگ کا رُخ ہی بدل گیا، ریخت وہزیمت فتح وکامرانی میں تبدیل ہوگئی، اب ہوازن وثقیف اپنے ساتھ لائے ہوئے مال ومتاع اور عورتوں وبچوں کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور جو نہ بھاگ سکے، وہ گرفتار کر لئے گئے، اس جنگ میں تقریباً چھ ہزار قیدی ہاتھ آئے، جب کہ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی (چار کوئنٹل اسی کلوگرام) مال غنیمت کے طور ملے۔

اوطاس وطائف کی جنگ

ہوازن وثقیف کے جو جنگجو بھاگے تھے، وہ طائف اور اوطاس کے قلعوں میں جمع ہو کر دوبارہ حملہ کا ارادہ کر رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو کفر کے زور کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لئے حضرت ابوعامر اشعریؓ کو اوطاس کی طرف روانہ فرمایا، جب کہ خود طائف کے لئے کوچ فرمایا، اوطاس جلد ہی حاصل ہوگیا؛ لیکن طائف کے قلعے چوں کہ مستحکم تھے: اس لئے قلعہ شکن آلات اور منجنیق کا استعمال کیا گیا، یہ محاصرہ تقریباً بیس دن رہا، پھر آپ ﷺ نے مقصد حاصل ہو جانے کی وجہ سے اسے اُٹھا لیا، اس موقع سے بعض نے اُن کے حق بددعا کی درخواست کی،

جس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ دعا دی: **اللھم اھد ثقیفا، وائت لھم** (اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما)۔

مال غنیمت کی تقسیم

یہاں سے آپ ﷺ جعرانہ تشریف لائے اور مال غنیمت کے حصے کر کے اسے تقسیم کیا، چوں کہ اس غزوہ میں مکہ کے ان نومسلموں کی تعداد زیادہ تھی، جن کا ایمان اُس طرح پختہ نہیں ہوا تھا، جس طرح انصار اور مہاجرین کا پختہ تھا؛ اِس لئے آپ ﷺ نے تالیفِ قلب کے لئے تقسیمِ غنیمت میں اُن کا خاص خیال رکھا، یہ دیکھ کر کچھ نوجوان انصار ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ: **لقد لقی واللہ رسول اللہ ﷺ قومہ** (بخدا حضور ﷺ اپنی قوم سے مل گئے)، آپ ﷺ نے جب یہ بات سنی تو دلی تکلیف ہوئی اور لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم فرمایا، جب سارے انصار جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم (میرے بارے میں) کہہ سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس اِس حال میں آئے تھے کہ تمام لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ بے یار و مددگار آئے تھے، ہم نے آپ کی مدد کی، آپ اِس حال میں آئے تھے کہ کوئی جائے پناہ نہ تھی، ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا، آپ محتاج آئے تھے، ہم نے اُس محتاجی کو دور کیا، اے انصار کی جماعت! دنیا کی معمولی چیز کے سلسلہ میں مجھ سے ناراض ہو، جو میں نے نئے اسلام لانے والوں کو اُن کی دل جوئی کے لئے دیا، کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو ساتھ لے کر جاؤ؟ اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر ہجرت نہ بھی ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، لوگ الگ راستہ میں چلیں اور انصار الگ راستہ میں، تو انصار کے راستہ میں چلوں گا''، حضور ﷺ کی اس تقریر کو سننا تھا کہ سب رونے لگے؛ یہاں تک کہ داڑھیاں تر ہو گئیں، پھر سب نے بیک زبان کہا: تقسیم میں حضور ﷺ کو پا کر ہم خوش ہیں (جامع الأصول فی أحادیث

الرسول، غزوة حنین، حدیث نمبر: ٦١٥٩، السیرة الحلبیة، غزوۂ حنین: ٣ / ٩٢)۔

ہوازن وثقیف کی عورتوں کی رہائی

ابھی آپ ﷺ جعرانہ ہی میں قیام پذیر تھے کہ ہوازن وثقیف کے ایک وفد نے آداب کورنش بجالانے کی اجازت چاہی، پھر وفد کے سردار نے درخواست کرتے ہوئے کہا: ہم آپ کے رشتہ دار ہیں، ہم پر احسان کیجئے، جن عورتوں کو آپ نے گرفتار کیا ہے، ان میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں، اگر نعمان بن منذر اور حارث بن شمر بھی ہم پر غالب آجاتے تو ہم ان سے حسنِ سلوک کی امید کرتے، اور آپ تو سب سے بہتر کفالت کرنے والے ہیں، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: بال بچوں اور مال ودولت میں سے جو پسندیدہ ہو، اسے چن لو، ان لوگوں نے جواب دیا: ہمارے بال بچوں کو لوٹا دیجئے، ہمارے نزدیک یہی محبوب ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنا اور عبدالمطلب کے خاندان کا حصہ تو دیتا ہوں؛ لیکن عام مسلمانوں کے حصہ کا میں مالک نہیں؛ اِس لئے نماز ظہر کے بعد تم تمام لوگوں کے سامنے فریاد کرنا، وفد کے لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ ﷺ نے وہاں بھی وہی جواب دیا، جو پہلے دے چکے تھے، آپ ﷺ کے منشا کو سمجھتے ہوئے تمام انصار ومہاجرین نے بھی اپنے اپنے حصے دے دیئے۔ (الروض الأنف، من احکام السبایا: ٤ / ٢٦٢)۔

غزوۂ تبوک

مسلمانوں کے فتح وغلبہ سے نصارائے عرب (جو غسانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور رومی بادشاہت کے تابع تھے) میں کھلبلی مچی ہوئی تھی؛ چنانچہ انھوں نے رومیوں کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کی، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فوری تیاری اور ''تبوک'' کی (تقریباً: ۱۲۳۔۶۲۳ کیلومیٹر) طرف کوچ کا حکم فرمایا، یہ حکم ایسے وقت میں تھا، جب موسم شدید گرم تھا، قحط سالی، فقر وفاقہ اور بے سروسامانی کا عالم تھا؛ لیکن مؤمنین مخلصین نے آپ

ﷺ کے اس حکم پر لبیک کہا، حضرت ابوبکرؓ نے اس سفر کے لئے اپنا کل مال (تقریباً چار ہزار درہم یعنی: ۲۱.۲۴۴ کیلوگرام چاندی) حاضر خدمت کر دیا، حضرت عمرؓ نے نصف مال، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کیلو) چاندی، حضرت عاصم بن عدیؓ نے ستر وسق (تقریباً ۱۳۲ر کوئنٹل اور ۱۶ر کیلوگرام) کھجور اور حضرت عثمان غنیؓ نے ساز و سامان کے ساتھ تین اونٹ اور ایک ہزار دینار (تقریباً ۴ر کیلو ۳۷۴ر گرام سونا) بارگاہِ اقدس میں پیش کیا، اس کے باوجود بھی سواری اور زادراہ کا پورا سامان نہ ہوسکا۔

آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ کا والی اور حضرت علیؓ کو اہل وعیال کی حفاظت پر مامور فرمایا، پھر تیس ہزار فوج کے ساتھ تبوک کے لئے روانہ ہوئے، تبوک پہنچنے سے ایک دن پہلے آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے، کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے، جب اس چشمہ پر پہنچے تو پانی کے بجائے قطرہ ٹپک رہا تھا، بمشکل تمام تھوڑا پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا، آپ ﷺ نے اس سے اپنا ہاتھ اور منھ دھویا، پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا، اس پانی کا ڈالنا تھا کہ رسنے والا قطرہ فوارہ بن گیا اور تمام لشکر سیراب ہوا، تبوک میں آپ ﷺ نے بیس روز قیام فرمایا؛ لیکن کوئی مقابلہ نہیں ہوا؛ البتہ دشمن اس سے مرعوب ہوئے اور آس پاس کے قبائل نے اطاعت قبول کر لی، اہل جرباء اور اذرح وایلہ کے حاکموں نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینے پر راضی ہوئے، آپ ﷺ نے انھیں صلح نامہ لکھ عطا فرمایا۔

یہیں سے آپ ﷺ حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک دستہ (چار سو بیس سواروں کا) دیکر دومۃ الجندل کے گورنر اکیدر کی طرف بھیجا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے اکیدر کو شکار کھیلتے ہوئے گرفتار کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار

سو نیزے دے کر صلح کر لی، تبوک کا یہ واقعہ رجب نو ہجری میں پیش آیا۔

حج کی ادائے گی

ذی قعدہ ۹ھ ہجری میں آں حضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی امارت میں لوگوں کو حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ فرمایا، پھر براءت کے اعلان کے لئے حضرت علیؓ کو پیچھے سے روانہ فرمایا، حضرت علیؓ نے قربانی کے دن (یوم النحر) منیٰ میں سورۂ براءت کی آیتیں لوگوں کو سنائیں، جن میں صاف طور پر یہ اعلان تھا کہ: جنت میں کوئی کافر داخل نہ ہو سکے گا، آئندہ نہ کوئی مشرک حج کر سکے گا اور نا ہی بیت اللہ کا طواف بے لباس ہو کر کر سکے گا، نیز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جس کا جو عہد ہے، وہ مدت تک پورا کیا جائے گا اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں، اسے چار مہینے تک کی مہلت ہے، اس مدت میں یا تو اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دے کر رہیں۔

حجۃ الوداع

سن دس ہجری میں آپ ﷺ نے خود حج کا ارادہ فرمایا، اس کے لئے لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ اس سال رسول اللہ ﷺ حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں، ذی قعدہ کی ۲۵ر تاریخ کو مدینہ سے روانہ ہوئے، اس وقت آپ ﷺ کے ہم راہ تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار کا مجمع تھا، ۴ر ذی الحجہ کو آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، مناسک حج ادا فرمانے کے بعد میدان عرفات میں ایک طویل خطبہ دیا، جس میں حمد وثناء کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! میری بات غور سے سنو، غالباً آئندہ سال تم سے ملاقات نہ ہو، اے لوگو! تمہاری جانیں اور آبرو اور اموال آپس میں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں، جیسا آج کا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے، جاہلیت کے تمام امور میرے پیروں تلے (پامال) ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں، سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون (جو بنو ہذیل پر ہے) معاف کرتا ہوں، جاہلیت کے تمام سود ساقط

ہیں اورتمہارے لئے صرف اصل پونجی (رأس المال) ہے، میں سے سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں، پھر زوجین کے باہمی حقوق بیان کرنے کے بعد فرمایا: میں تمہارے درمیان ایسی محکم چیز (کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ) چھوڑ کر جارہا ہوں، جس کو اگر مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا تو تم کیا جواب دوگے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام اور اللہ کی امانت ہم تک پہنچادی اور امت کی خیر خواہی کی، اللہ کے رسول ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا: اللھم اشھد (اے اللہ تو گواہ رہ)۔

۱۰/ذی الحجہ کو آں حضرت ﷺ نے منی میں اپنے دست مبارک سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ نحر فرمائے اور تینتیس (۳۳) حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کی طرف سے ذبح فرمائے، پھر تمام مناسک حج سے فارغ ہو کر مدینہ روانہ ہوئے اور اخیر ذی الحجہ میں مدینہ پہنچے۔

سفر آخرت

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آں حضرت ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کردی اور تسبیح وتحمید اور توبہ واستغفار میں مشغول ہوگئے، ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں ایک رات اہل بقیع کے استغفار کے لئے جنت البقیع تشریف لے گئے، واپسی کے بعد اچانک سر درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی، جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حجرۂ عائشہؓ میں منتقل ہوگئے، جب تک طاقت رہی، خود نماز پڑھاتے رہے، وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو ظہر کی نماز کے بعد ایک طویل خطبہ دیا، جو آپ ﷺ کا آخری خطبہ تھا، اسی دن مغرب کی نماز آپ ﷺ نے آخری نماز کے طور پر پڑھائی، اس کے بعد مرض کی شدت کی وجہ سے مسجد تشریف نہ لے جاسکے اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنی جگہ امامت کرنے حکم فرمایا، سنیچر یا اتوار کو مرض میں کچھ افاقہ ہوا تو حضرت

عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد تشریف لائے، اس وقت حضرت ابوبکرؓ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور بقیہ نماز کی امامت آپ ﷺ نے فرمائی، حضرت ابوبکرؓ بھی آپ ﷺ کے مکبر مقتدی بن گئے؛ چنانچہ لوگوں نے انہی کی تکبیر پر نماز ادا کی، پیر کی صبح آپ ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا تو لوگوں کو صبح کی نماز میں مشغول دیکھ کر مسکرائے، حضرت ابوبکرؓ نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا تو آں حضرت ﷺ نے اشارہ سے منع فرمادیا، کمزوری کی وجہ سے زیادہ دیر کھڑے نہ رہ سکے اور پردہ گرا کر حجرہ تشریف لے آئے۔

نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے حجرہ میں تشریف لائے تو پرسکون دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا، جب حضرت علیؓ حجرہ سے باہر آئے تو لوگوں نے آپ ﷺ کی خیریت دریافت کی، اطمینان بخش جواب پا کر لوگ منتشر ہو گئے، کچھ دیر گزری تھی کہ وقت نزع شروع ہوا، حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر ہاتھ میں مسواک لئے داخل ہوئے، آپ ﷺ ان کی طرف دیکھنے لگے، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ کیا آپ کے لئے مسواک لے لوں؟ آپ ﷺ نے اشارہ سے ہاں فرمایا، حضرت عائشہؓ نے مسواک لیا اور اسے چبا کر نرم کر کے آں حضرت ﷺ کو دیا۔

آپ ﷺ کے قریب میں پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، تکلیف سے بے تاب ہو کر اس میں ہاتھ ڈالتے اور منھ پر پھیر لیتے اور کہتے جاتے: لاالہ الااللہ، إن للموت سکرات (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں)، پھر چھت کی طرف نگاہ اٹھائی اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اللھم فی الرفیق الأعلی (اے اللہ! میں رفیق اعلی میں جانا چاہتا ہوں)، زبان مبارک سے ان کلمات کے ادا ہوتے ہی روح مبارک عالم بالا کو پرواز کر گئی اور دست مبارک نیچے گر گیا، یہ روح فرسا واقعہ پیر کے دن دوپہر ۱۲/ ربیع الاول کو پیش آیا، فصلی اللہ علی

النبی الکریم و آله الطیبین الطاهرین.

وفات کا کہرام

نبی کریم ﷺ کی وفات پر مدینہ میں کہرام مچ گیا، لوگوں کو اس کا یقین ہی نہیں ہو رہا تھا؛ حتی کہ حضرت عمرؓ تلوار لے کر نکل پڑے کہ جو بھی یہ کہے گا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، اس کی گردن دھڑ سے الگ کردیں گے، حضرت ابوبکرؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؓ لپک کر آئے، حجرۂ عائشہؓ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ پر ایک چادر ڈھکی ہوئی تھی، ہٹا کر دیکھا اور جبینِ ناز کو بوسہ دیا، پھر فرمایا: تیری زندگی بھی اچھی تھی اور تیری موت بھی اچھی ہے، پھر حجرہ سے باہر آئے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا (وہ سن لے کہ) محمد (ﷺ) کی وفات پا چکے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (تو وہ سن لے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی، پھر سورۂ آل عمران کی یہ آیت تلاوت کی: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ. (آل عمران:١٤٤) ''اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں اُن سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں بھلا اگر یہ فوت ہو جائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا''، آیت سن کر لوگ ایسے ہوش میں آئے، جیسے آج ہی اس کا نزول ہوا ہو، اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سرچشمۂ وحی، منبع خیر و برکت، جگر گوشۂ آمنہ، خلاصۂ کائنات، فخر موجودات، محبوبِ خدا، امام الانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس دار فانی سے کوچ کر کے دار جاودانی کی طرف رخصت ہو چکے ہیں۔

جانشینی اور تدفین

اب تمام انصار ومہاجرین سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے اور آپسی مشورہ سے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آں حضرت ﷺ کا جانشین مقرر کیا اور تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی، اس کے بعد آپ ﷺ کی تجہیز وتکفین کی تیاری شروع ہوئی، غسل کی ذمہ داری حضرت علی، حضرت عباس، فضل بن عباس، قثم بن عباس، اسامہ بن زید اور شقران رضی اللہ عنہم کے سپرد ہوئی، غسل کے بعد تین کپڑوں میں کفنایا گیا، پھر بغیر جماعت کے فرداً نماز جنازہ ادا کی گئی، پہلے مردوں نے پڑھی، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے پڑھی، اور منگل کی درمیانی شب میں حجرۂ عائشہؓ ہی میں آپ ﷺ کو دفن کیا گیا، **فصلى الله عليه بعددمن صلى وصام، واجعله فرطنافي الآخرة، واحفظنامن خزى الدنياوالآخرة، واجعل لناهذاالمكتوب وسيلة إلىٰ دخول الجنة.**